ہفت روزہ
ندائے خلافت
۱۳ ستمبر ۱۹۹۴ء

☆ داعیٔ تحریک کے چوتھے خطبۂ خلافت کی دوسری قسط
☆ لندن کی بین الاقوامی مسلم خلافت کانفرنس کا منظر نامہ
☆ ہم کدھر جا رہے ہیں؟--------رُخ تو مقتل کی طرف ہے!

حدیثِ امروز

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام اس ہفتے قاہرہ میں شروع ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس روز افزوں بڑھتی عالمی آبادی اور نام نہاد ترقیاتی منصوبوں کے باہمی تعلق پر غور و فکر کرے گی جس کے نتائج کی اُڑتی سی خبر زبانی طیور کی پہلے سے مل چکی ہے۔ توقع ہے کہ کانفرنس کی طرف سے جس میں کم سے کم ایک سو پچاس ممالک کی نمائندگی ہوگی، سب سے زیادہ اصرار آبادی میں اضافے کو روکنے پر ہوگا اور اس کے لئے ہر وہ ذریعہ استعمال کرنے کی سفارش کی جائے گی جس کے نتیجے میں بچے بلا اجازت پیدا ہونے کی جسارت نہ کریں خواہ اس غرض سے انسانوں کو حیوانوں کی سطح سے بھی نیچے اترنا پڑے۔ ان ذرائع کی تفصیلات کے بیان کا ہمارا یہ جریدہ متحمل نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ بے حیائی، فحاشی اور بدکاری کی ہر حد سے بدتر شکل کو بطور تدبیر اختیار کرنے پر زور دیا جائے گا اور مانع حمل طریقوں کے وسیع پیمانے پر استعمال کے علاوہ اسقاطِ حمل تک کو روا قرار دیا جائے گا جو قتلِ اولاد کی آخری انتہا ہے۔

صورتِ حال آج یہ ہے کہ دیارِ مغرب کے رہنے والوں میں اولاد کی پیدائش اور پرورش کے "کھکھیڑ" سے اس درجہ وحشت پیدا ہو چکی ہے کہ اکثر ممالک کی آبادی ایک جگہ منجمد ہو کر رہ گئی ہے جبکہ کئی ملکوں میں تو اس میں کمی بھی واقع ہو رہی ہے۔ اتنے بچے وہاں پیدا نہیں ہوتے جتنے بڑے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ جاتے ہیں۔ پھر معیارِ بود و باش میں بہتری، اعلیٰ خوراک کی دستیابی اور علاج معالجے کی جدید سہولیات کی موجودگی نے وہاں انسانوں کی اوسط عمر میں خاصا ہی اضافہ کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ از کار رفتہ بوڑھوں کی تعداد کا تناسب ترقی یافتہ ممالک میں جوانوں کے مقابلے میں بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس "تیسری دنیا" (اور اس کا بڑا حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے) میں اضافۂ آبادی کی شرح اہلِ مغرب کے نزدیک "خطرناک حد تک" زیادہ ہے۔ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کے باعث ان کے ہاں اوسط عمر میں بھی کچھ خاص اضافہ نہیں ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں بوڑھوں کے مقابلے میں جوانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ اس بالی عمر یا والے **مسلم** "جہانِ نو" کی دہشت سے فرنگی "عالمِ پیر" پر لرزہ نہ طاری ہو تو اور کیا ہوگا! پھر ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر جسے بجا طور پر جیو ورلڈ آرڈر بھی کہا جاتا ہے، صیہونی منصوبے کی اس باقاعدہ شق پر عملدرآمد کا پابند ہے کہ قوموں میں جنسی انارکی پیدا کر کے اس درجہ کمزور کر دیا جائے کہ ان میں صیہونیت یعنی دجالی فتنے کو کسی درجے کی مزاحمت پیش کرنے کی سکت ہی نہ رہے۔ مغرب کی نقالی میں اور اس کے طاقتور ذرائع ابلاغ کے زیر اثر پھیلنے والی بے حیائی و فحاشی کی رفتار نیو ورلڈ آرڈر کے نزدیک ناکافی ہے کیونکہ "بنیاد پرست" ہر جگہ اس میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ اب ارادہ ہے کہ ایک ہی ہلے میں مزاحمت کا "بلواڑہ" کر دیا جائے اور اسی غرض سے ان سب ملکوں کو "لائن حاضر" کیا گیا ہے جو اپنے دفاع، اپنی معیشت اور سماجی خدمات کے ارتقاء کے لئے مغرب کے دست نگر ہیں۔

یہ تو وہ سنگین حقائق ہیں جو نوشتۂ دیوار ہیں، ستم ظریفی ان میں جو پوشیدہ ہے اس کی طرف شاید توجہ مبذول نہ ہوئی ہو۔ یاد کیجئے وہ مصر ہی کے حاکم فراعین تھے جو بنی اسرائیل کا بدترین استحصال کرتے تھے اور اپنے ظلم و تعدی میں اس درجہ بڑھے کہ

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

قیمت ۶ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الہدیٰ

سورۃ البقرہ

(آیت ۲۰۰ تا ۲۰۲)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

پھر جب تم حج کے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جس طرح تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادا کو' بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر'

(کہ مناسک حج سے فراغت کے بعد تفریحات میں مشغول و منہمک ہونے اور فخر و مفاخرت کی مجالس منعقد کرنے کی بجائے اللہ کا ذکر کرو' اس کی یاد سے اپنے دل کو آباد رکھنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرو۔ عربوں کا قدیم دستور تھا کہ مناسک حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر تین روز منیٰ میں قیام کرتے' بازار لگا کر میلے کا سماں پیدا کرتے اور اپنے باپ دادا کے فضائل و مناقب بیان کرتے' ان کی شجاعت اور دلیری کا ذکر کر کے فخر محسوس کرتے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرتے۔ ان تمام لغویات سے روک کر یہاں قرآن نے انہیں اس سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کی تلقین کی ہے کہ تمام عبادات کا اصل حاصل یہ ہے کہ دل میں اللہ کی یاد ہر دم تازہ رہے۔)

تو لوگوں میں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب' ہمیں عطا کر دے اسی دنیا میں۔ اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O

(کہ قبولیت دعا کے ان عظیم مراکز میں پہنچ کر بھی بعض بدنصیب وہ ہیں کہ جو اللہ سے مال و منال دنیا ہی کے حصول کی دعا کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا مطلوب و مقصود بس یہ دنیا کی زندگی ہے۔ دنیا کی محبت ان کے دل و دماغ پر اس درجے مسلط رہتی ہے کہ انہیں اگر حج اور عمرے جیسی عظیم عبادت کا موقع بھی نصیب ہوتا ہے تو وہاں بھی اللہ کے سامنے ان کا دست دعا اپنی دنیوی خواہشات کی تکمیل کے لئے دراز ہوتا ہے۔ وہ جس مقام کے بارے میں بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں دعا قبول ہوتی ہے وہاں وہ اللہ کی جناب میں اپنی دنیوی ترقی کے لئے دعاؤں' درخواستوں اور فرمائشوں کے انبار لگا دیتے ہیں اور اس کے ساتھ آخرت کی فلاح کا ذکر بھی پسند نہیں کرتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ چیز ان کی دنیوی آرزوؤں کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن جائے!! ایسے لوگ یقیناً آخرت کی نعمتوں سے بے بہرہ رہیں گے اور وہاں بدبختی ہی ان کا مقدر ٹھہرے گی۔)

اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں عطا فرما دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی' اور بچا لے ہمیں آگ کے عذاب سے O

(ہاں وہ لوگ کہ جو دنیا میں رہتے ہوئے بھی اپنی اصل منزل یعنی آخرت سے غافل نہیں ہیں' وہ اللہ سے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائیوں اور کامیابیوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ دعا کا یہی انداز اللہ کو پسند ہے اور یہی روش ایک بندۂ مومن کو زیب بھی دیتی ہے کہ وہ اپنی فرمائشوں کی فہرست اللہ کے سامنے رکھنے کی بجائے اپنے رب سے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائیاں طلب کرتا رہے۔ اس بھلائی کا فیصلہ اور انتخاب اپنے رب پر چھوڑ دے۔ وہ ہماری مصلحتوں کا ہم سے بہتر جاننے والا ہے۔ وہ اس بات کا حتمی علم رکھتا ہے کہ ہمارے لئے حقیقی خیر کس میں ہے۔ البتہ دوزخ کے عذاب سے برابر پناہ مانگتے رہنا چاہئے کہ بندے کے لئے سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ اس کا پروردگار آخرت میں اسے جہنم کے عذاب سے بچا لے۔)

انہی لوگوں کے لئے حصہ ہو گا اس میں سے جو انہوں نے کمایا' اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے O

(کہ اس روش کو اختیار کرنے والے اپنی کمائی کا حصہ ضرور پائیں گے۔ ان کے رب کا یہ وعدہ ہے کہ ان کے نیک اعمال کی بھرپور جزا انہیں مل کر رہے گی' اور وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ کوئی بہت دور کی بات ہے' حساب کتاب کے معاملات اللہ بہت جلد نمٹا لے گا!)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ندائے خلافت
ہفت روزہ لاہور

جلد ۳ — شمارہ ۳۵
۱۳ ستمبر ۱۹۹۴ء

17

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریکِ خلافت پاکستان
۴ اے مزنگ روڈ۔ لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۶ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۵ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ———— ۱۲ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ———— ″ ″ ″
افریقہ، ایشیا، یورپ ———— ″ ″ ″
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ———— ″ ″ ″

ادارِیہ و شذرات

نواز شریف صاحب کا ایٹمی دھماکہ : پس چہ باید کرد؟

موجودہ قائد حزب اختلاف اور سابق وزیر اعظم جناب نواز شریف کو آزاد کشمیر میں نیلابٹ کے مقام پر جلسہ عام کی عمومی فضا اور موقع کی خصوصی مناسبت نے جذبات سے اس درجہ مغلوب کر دیا کہ وہ تابڑ توڑ تین گرما گرم اعلانات کر بیٹھے۔ پہلا یہ کہ نر سمہا راؤ اپنے آپے میں رہیں اور جان لیں کہ ہمارے پاس ان کے میزائلوں کا باپ یعنی ایٹم بم موجود ہے۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے اپنی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں جماعت اسلامی کے قاضی حسین احمد صاحب کو جہاد کشمیر پر لگانے کے لئے تیس کروڑ روپے دیئے تھے اور تیسرا وزیر اعظم آزاد کشمیر' سردار عبدالقیوم کو اس مشورے کی شکل میں کہ وہ دوسروں کا منہ نہ دیکھتے رہیں' بڑھ کر خود حملہ کریں اور مقبوضہ کشمیر کو بھی آزاد کرا لیں۔ اس پر لے دے ہوئی تو نواز شریف صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سوچ سمجھ کر کہا ہے اور ان کی مسلم لیگ کے ترجمانوں نے اس انکشاف کو قوم پر احسان عظیم قرار دیا جبکہ حکومت اور اس کے کاسہ لیسوں کے نزدیک اپوزیشن لیڈر نے رازداری کے اس حلف سے مجرمانہ روگردانی کی ہے جو آئین کے مطابق بطور وزیر اعظم انہوں نے لیا تھا اور یہی نہیں بلکہ وہ قومی مفادات سے غداری کے مرتکب بھی ہوئے ہیں۔

رو میں کچھ تو روا ہوتا ہے لیکن نہ اس قدر۔ موصوف نے صرف پہلی بات ہی کہی ہوتی تو اسے ان کی صراحت اور ان کے ترجمانوں کی وضاحت کی روشنی میں کچھ اور معنی پہنائے جا سکتے تھے لیکن دوسری باتوں کے ساتھ مل کر وہ اپنا "تقدس" کھو بیٹھتی ہے۔ تیس کروڑ کا معاملہ دینے والا جانے یا لینے والا یا پھر "اوپر والا" لیکن ہے یہ بے وقت کی راگنی اور سردار عبدالقیوم کے بڑھ کر مقبوضہ کشمیر کو ہتھیا لینے والی "حکمت عملی" پر رعائتی نمبر دے کر بھی ان الفاظ میں ہی تبصرہ کیا جا سکتا ہے کہ "سوت نہ کپاس' کولی (جولاہے) سے لٹھم لٹھا"۔ ایٹم بم کی موجودگی کے اعلان کو اب کبڑے کی کمر پر لات ہی مان لیا جائے تب بھی یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے اور بہت سی قابل ذکر شخصیات کی زبان پر آیا کہ یہ مجاہدانہ اعلان ا نوں نے اپنے دور اقتدار میں کیوں نہ کیا؟۔ آج قوم کے حق میں یہ اتنے بڑے خیر کا باعث ہے تو کل بھی تھا کیونکہ بھارت کی نیت کا فتور کوئی نئی چیز نہیں اور وادی کشمیر کے مسلمانوں کی حالت زار جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔ ملک پر یہ احسان کر کے انہوں نے ایک بڑا قومی ہیرو بننے کا یہ موقع اپنے زمانے میں کیوں کھویا؟۔

بایں ہمہ نواز شریف صاحب کے ایٹمی دھماکے پر شاباش دینے یا گرفت کرنے کا مسئلہ تو وقت کی حکومت کا درد سر ہے' نقد فائدہ اس کا یہ ہوا کہ قوم کے درد جگر میں قدرے افاقہ ہوا ہے۔ یہ بات ہر پاکستانی کے دل میں پہلے سے ہی مورچہ بند تھی کہ ہم بے دست و پا نہیں ہیں اور کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ امریکہ جیسا باخبر ملک نہ جانتا ہو گا کہ جوہری صلاحیت کے حصول کے سفر میں ہم کسی بھی خاص وقت کس وادی میں اور کونسی منزل پہ تھے۔ منافقانہ ڈپلومیسی پر کہ سکہ رائج الوقت ہے' ساری دنیا تکیہ کرتی ہے اور اپنے اپنے وقت میں جنرل ضیاء الحق' میاں نواز شریف اور بے نظیر بھٹو سب نے اسی کا سہارا لیا تاہم اب یہ راز طشت ازبام ہو ہی گیا ہے تو مقام فکر یہ ہے کہ ہماری حکومت کا طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔

کسی بھی درجے میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان مفاہمت موجود ہوتی اور تعلقات کار کا سلسلہ بالکل منقطع نہ ہو چکا ہوتا تو دونوں کو سر جوڑ کر بیٹھنا اور یہ فیصلہ کرنا چاہئے تھا کہ ایٹم بم کی موجودگی کا اعتراف کب اور کن حالات میں کرنا زیادہ مناسب اور ملک کے حق میں مفید تر ہو گا اور فیصلہ یہ ہوتا کہ اپنے کارڈ چھپا کر رکھنا دشمنوں کے حوصلے بلند کر رہا ہے تو پھر اس اعلان کا حکومت کی طرف سے آنا زیادہ موثر ہوتا۔ لیکن یہ ہونا تھا نہ ہوا اور جو ہوا ہے اس کے نتیجے میں نظریوں آتا ہے کہ قوم کو سو پیاز بھی کھانے ہوں گے اور سو جوتے بھی پڑیں گے کیونکہ حکومت کا انکار تازہ تازہ سابق ہونے والے وزیر اعظم کے اقرار کی روشنی میں معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔ ہمیں وہ عقوبت بھی برداشت کرنی ہوگی' امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کی طرف سے یک طرفہ طور پر جس کے

ہم سزاوار سمجھے جائیں گے اور ایٹمی کلب کی وہ رکنیت بھی نہ ملے گی جسے ایٹمی ہتھیار رکھنے والا ہر ملک آپ سے آپ حاصل کر کے بازپرس سے بلند اور محفوظ ہو جاتا ہے۔

پس چہ باید کرد؟۔ امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے طویل بیرونی سفر سے واپسی کے بعد دوسرے ہی خطاب جمعہ میں حکومت کو مشورہ دیا کہ راز کھل ہی گیا ہے تو اب حکومت کو بھی کھل کر بلکہ ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ ہاں، ہم ایٹمی قوت ہیں اور ہماری طرف میلی نظر سے دیکھنے والے ہر دشمن کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو قرآن مجید میں وارد ہونے والے اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کے تحت ہر آن اپنے ہتھیاروں اور جنگ کے دیگر سازو سامان کو تیار رکھنے کے پابند ہیں۔ شرع میں آخر کیا شرم!۔ اپنے منصوبوں کو خفیہ رکھنے کی تو ہمیں ہدائت بھی فرمائی گئی ہے لیکن اگر راز کھل جائے تو پھر جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں۔ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی سیاست کے پیروکار ہیں، اہل مغرب کے استاد میکیاولی اور ہنود کے گرو چانکیہ کی تقلید ہرگز نہیں کریں گے جنہوں نے سیاست میں جھوٹ اور فریب کے استعمال کو سب سے موثر تدبیر کے طور پر پیش کیا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا کہ اس واضح اعلان کے لئے جس "ہمت مردانہ" کی ضرورت ہے وہ اگر جنرل ضیاء الحق جیسے "مرد مومن، مرد حق" اور میاں نواز شریف جیسے "غیر بنیاد پرست" لیکن حوصلہ مند مسلمان نوجوان کو میسر نہ ہوئی تو بے نظیر بھٹو میں کہاں سے آ جائے گی۔ وہ تو اس میدان کی "مرد" ہیں ہی نہیں، ڈپلومیسی (خاموش یا زبان دراز) کی ماہر کہلانے کا شوق رکھتی ہیں اور اسی کی تربیت بھی انہوں نے میکیاولی کے شاگردوں سے حاصل کی لیکن افسوس کہ اس میدان میں بھی کوئی بڑی کارگزاری کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ اپنے ایٹمی پروگرام پر بظاہر رازداری کا ڈھکن رکھ کر وہ کم سے کم اتنا ہی کر پاتیں کہ امریکہ سے ان ایف ۔ ۱۶ طیاروں کو حاصل کر لیتیں جن کی قیمت بھی پاکستان ادا کر چکا ہے تب بھی ایک بات تھی۔ یہ معاملہ بھی ہنوز کھٹائی میں پڑا ہوا ہے بلکہ روز بروز ہماری رسائی سے بالاتر ہوتا جا رہا ہے تو آخر اس میں کیا قباحت ہے کہ ہم شمالی کوریا جتنے حوصلے ہی کا مظاہرہ کریں جس کے دیئے ہوئے چرکوں اور زخموں کو امریکہ اب تک چاٹتا ہے لیکن مجبور ہو گیا کہ دھمکیوں کے کارگر نہ ہونے پر اسے بہلا پھسلا کر مذاکرات کی میز پر لائے --- کیا بارہ کروڑ آبادی کا یہ مسلمان ملک شمالی کوریا سے بھی گیا گزرا ٹھہرا ہے؟۔

حسرت آتی ہے کہ تحریک نجات اور محاذ آرائی کی حدت برقرار رکھتے ہوئے بھی اپوزیشن اگر قومی اہمیت کے محض دو ہی مسائل پر حکومت سے مذاکرات کا دروازہ کھلا رکھتی تو صورت حال آج کے مقابلے میں بہت بہتر ہوتی۔ مثلہ کشمیر اور جوہری توانائی وہ بنیادی اہمیت کے نکات تھے جن پر اتفاق رائے تک پہنچنے میں کسی فریق کو اپنی مونچھ نیچی بھی کرنی پڑتی تو یہ قوم کے حق میں ایثار ہوتا اور وہ قوم جس نے دونوں کا نذرانہ پیش کر کے دونوں فریقوں کو اس مقام بلند پر پہنچایا ہے وہ ان کی طرف سے اس قدر ایثار و بے نفسی کی توقع تو بجا طور پر رکھتی تھی۔

خطرناک اسلحہ کی فراوانی

اب ان عوامل کا ذکر تو تحصیل حاصل ہے جنہوں نے پاکستان میں خطرناک اسلحے کی ریل پیل کر دی، واقعہ بہرحال یہ ہے کہ بعض سیاسی جماعتوں، چند فرقہ وارانہ تنظیموں، طلبہ کے متعدد گروپوں، جرائم پیشہ لوگوں کے لاتعداد گروہوں اور کئی سیاست دانوں بلکہ بہت سے امن پسند شہریوں کے پاس بھی قانونی و غیر قانونی اسلحے کے ڈھیر موجود ہیں۔ یہ اسلحہ شوق کا مظہر بھی ہے جس کا پنجابی محاورے کے مطابق کوئی مول نہیں ہوتا، شکار میں استعمال ہونے کے لئے بھی رکھا جاتا ہے، اپنے مال و جان کے تحفظ کا ذریعہ بھی سمجھا جاتا ہے، قوت کے مظاہرے کے لئے اس کی نمائش بھی ہوتی ہے، جرائم اور قتل و غارت گری کے لئے بھی بے دریغ کام میں لایا جا رہا ہے، سیاسی عزائم کی تکمیل کے علامتی استعمال میں بھی آ رہا ہے اور اسی کے بل پر اب دو بپھری ہوئی انتہا پسند اور متحارب فرقہ وارانہ تنظیمیں ملک میں خانہ جنگی کے آغاز کی دھمکیاں دینے پر بھی اتر آئی ہیں۔

اسلحہ کی یہ فراوانی ملک کے امن و امان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اس سے جتنی جلد چھٹکارا حاصل کر لیا جائے اتنا ہی اس کے ہولناک نقصانات کے امکانات کا ازالہ ہو گا۔ تاہم غیر قانونی اور ممنوعہ بور کے لائسنس یافتہ اسلحہ کے ذخائر کو ختم کرنے کی مہم کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ:

اولاً شکار کے ان شوقین شرفاء کو اس مہم میں ہراساں نہ کیا جائے جو قانون کی پابندی اور امن پسندی کا ریکارڈ رکھتے اور صرف ایسے اسلحہ کے مالک ہیں جو بالعموم شکار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ثانیاً امن و امان کی حالت سنواری جائے اور شہریوں کے مال و جان کے تحفظ کا قابل اعتماد اور پوری طرح کارگر انتظام کیا جائے تاکہ خود حفاظتی کے لئے بھی اسلحہ رکھنا ضروری نہ رہے اور جب تک اس ہدف کو پوری طرح حاصل کرنا ممکن نہ ہو، ذمہ دار و باشعور اور سماجی و مالی حیثیت رکھنے والے شہریوں کے لئے اسلحہ کے لائسنس کا حصول دشوار نہ ہو۔

ثالثاً سیاستدانوں کے شوق خود نمائی کے ساتھ بلا امتیاز سختی سے نمٹا جائے۔ اپنی شان کے اظہار کے لئے اسلحہ بردار اور اسلحہ کی نمائش کرتے محافظوں کی معیت بھی "سٹیٹس سمبل" بنتی جا رہی ہے جس کے اظہار کی ابتدا گاڑیوں پر ایم این اے اور ایم پی اے کی پلیٹوں کو آویزاں کرنے سے ہوتی ہے۔ اس رجحان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنے کی ضرورت ہے۔

رابعاً سیاسی جماعتوں، طلبہ تنظیموں اور فرقہ پرست متحارب گروہوں کے ساتھ یکساں سختی برتی جائے اور انہیں غیر مسلح کرنے کے لئے ہر طرح کی طاقت کا استعمال حتیٰ کہ فوج کا تعاون حاصل کرنے میں بھی ہرگز کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس کی اہم ترین شرط حکومت اور انتظامیہ کی بے داغ غیر جانبداری ہے۔ اس مہم میں جانبداری کا شائبہ بھی داخل ہو گیا تو سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا اور اس کا نتیجہ توقعات سے کہیں زیادہ خوفناک ہو گا۔

امید ہے کہ اس ہولناک دھماکہ خیز صورت حال کو جوں کا توں رہنے یا بد سے بدتر ہوتے چلے جانے کا موقع نہ دیا جائے گا اور یاد رکھنا چاہئے کہ اصلاحی و تادیبی کوششوں میں تاخیر بھی سخت خطرناک ثابت ہو گی۔ ملک کی فضا میں سیاسی محاذ آرائی اور فرقہ وارانہ چپقلش نے بہت زہر گھول رکھا ہے بلکہ اب تو ہوا میں بارود کی بو بھی شامل ہو چکی ہے۔ ایسے عالم میں انتظامیہ نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے رکھیں تو خطرے کی بلی غائب نہیں ہو جائے گی بلکہ وہ زیادہ آسانی سے دبوچ لیا جائے گا۔

صورت حال کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب دشمنوں کے عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے افواج پاکستان کو مضبوط و توانا بنانے کے علاوہ ضروری جسمانی صلاحیت رکھنے والے

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

دائیٔ تحریک کے چوتھے خطبۂ خلافت کی دوسری قسط

مرتبہ : نثار احمد ملک

انقلابی عمل کے مراحل سیرتِ مطہرہؐ سے ہی سمجھے جاسکتے ہیں

نظمِ جماعت کے بنیادی اصول بھی سیرتِ نبویؐ سے اخذ کئے جائیں گے

نبی اکرم ﷺ کے طریق کار کو میں نے "انقلابی جدوجہد" کا عنوان دیا ہے۔ اس جدوجہد کے تمام مراحل کو میں نے سیرت النبیؐ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ میرا یہ یقین ہے کہ نظام بدلنے کے معنی "انقلاب" ہے اور اس انقلابی عمل کا واحد ذریعہ سیرۃ النبی ہے۔ یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ اگر ذرا سا گمان ہوجائے کہ اس جگہ تیل ہے تو اس گمان کی بنیاد پر تیل نکالنے کے لئے کروڑوں روپے خرچ کردیئے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر یہ یقین ہوجائے کہ یہاں تیل ہے' پھر تو کیا کہنے! اسی طرح اگر ہمیں یہ یقین ہوجائے کہ انقلابی جدوجہد کے مراحل و مدارج کو معلوم کرنے کا واحد ذریعہ سیرۃ النبیؐ ہے تو ہماری پوری توجہ اس پر مرکوز ہوگی کہ "جا ایں جا است" اس یقین کے بعد سیرۃ النبیؐ کا مطالعہ کرتے ہوئے Between the lines جو کچھ ہے اس پر بھی غور کیا جائے گا۔ سیرہ النبی سے ہی ہم سمجھیں گے کہ آپ نے پہلے مرحلے میں کیا کیا اور بعد میں کیا کیا ہے وہ کون سی شرائط تھیں کہ جن کے پورے ہوجانے کے بعد آپ نے اگلے مرحلے میں قدم رکھا؟

اس بات کو کہ انقلابی جدوجہد کے مراحل و مدارج کا ادراک فقط سیرۃ النبی سے حاصل کیا جاسکتا ہے میں دو حوالوں سے بیان کرنا چاہتا ہے۔ میرے اس دعویٰ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ دنیا میں دوسرے جتنے بھی انقلاب آئے ہیں وہ سب جزوی تھے۔ پوری انسانی تاریخ میں ہر اعتبار سے کامل انقلاب کی واحد مثال انقلاب محمدیؐ ہے۔ انقلاب فرانس کا بہت چرچا ہے جو سوا دو سو سال پہلے آیا تھا لیکن اس انقلاب میں صرف سیاسی ڈھانچہ تبدیل ہوا تھا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں عقائد نہیں بدلے' اخلاق نہیں بدلے' معاشرت نہیں بدلی یہاں تک کہ معاشی ڈھانچہ بھی نہیں بدلا۔ گویا اجتماعی زندگی کا صرف ایک پہلو تبدیل ہوا۔ اسی طرح اس صدی کے شروع میں بالشویک انقلاب سے صرف معاشی ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ ایک نئے معاشی ڈھانچہ کی بنیاد ownership Private کو ختم کرکے Nationalization پر رکھی گئی۔ ان دو انقلابات کے برعکس اگر نبی اکرم ﷺ کے برپا کردہ انقلاب کو دیکھا جائے تو ہمیں مائیکروسکوپ لگا کر یہ دیکھنا پڑے گا کہ کون سی شے نہیں بدلی! لوگوں کے عقائد بدل گئے' نظریات بدل گئے' اقدار بدل گئیں اور صبح و شام کے انداز بدل گئے۔ پھر معاشی و سیاسی ڈھانچہ تبدیل ہوگیا۔ ایک ایسی قوم کہ جس میں لکھنے پڑھنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے' وہ دنیا کی امام بن گئی۔ یہی قوم تھی جو کہ بعد میں علوم و فنون کی موجد بن گئی۔ وہ قوم کہ جس میں ہر وقت جھگڑا رہتا تھا اور جسے قرآن "قوم لدا" کہتا ہے۔ دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئی۔ جس قوم کا نقشہ مولانا حالی نے یوں کھینچا ہے کہ۔

کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

اس انقلاب کے بعد یہ قوم اتنی پر امن ہوجاتی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک عورت جو صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گی' اسے سوائے اللہ کے کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ عرب کی اس سرزمین پر عورتوں نے تنہا سفر کیا جہاں قافلوں کا نکل کر جانا آسان نہیں تھا۔ جو قوم نظم کے نام سے بھی واقف نہ تھی بلکہ یہاں ہر ایک اپنی جگہ فرعون بے ساماں بنا ہوا تھا' اس کو ایسا نظم کا خوگر کیا کہ عبادت کر رہے ہیں تو ایک امام کے پیچھے صفیں باندھ کر۔ دیکھنے والوں کو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ملٹری ڈرل ہو رہی ہے۔ یہ ہے وہ انقلاب عظیم جو محمد رسول اللہ نے برپا کیا۔

انقلاب محمد اور دنیا کے دوسرے انقلابات میں ایک اور فرق بھی موجود ہے۔ دوسرے جتنے بھی انقلاب برپا ہوئے وہ مختلف generations میں مکمل ہوئے ہیں۔ ایک نسل نے صرف فکر دیا۔ گویا مفکرین پیدا کئے۔ یہ مفکرین مرد میدان تھے ہی نہیں کہ کسی انقلابی جدوجہد کا آغاز بھی کرتے۔ اس کی مثالیں تاریخ میں بے شمار موجود ہیں۔ مثلاً والیٹر اور روسو بہت بڑے مفکر اور مصنف تھے۔ انقلاب فرانس کی پشت پر روسو کا فکر موجود تھا لیکن اس انقلاب میں روسو قائد تو نہیں تھا! انقلاب فرانس میں تو کوئی قیادت سرے سے موجود ہی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بہت ہی خونی انقلاب تھا۔ جس دوسرے انقلاب کا میں نے ذکر کیا ہے اس کی پشت پر اینجلز اور کارل مارکس کا فکر تھا۔ کارل مارکس نے "داس کیپٹل" جیسی عظیم کتاب لکھی' جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ع "پیمبر نیست و لیکن بغل دارد کتاب"۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مارکس نے فکر دیا لیکن وہ اپنی زندگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب برپا نہ کرسکا۔ اس نے اپنی کتاب جرمنی اور انگلستان میں مکمل کی جبکہ انقلاب روس میں برپا ہوا۔

اس کے برعکس انقلاب محمدی ﷺ میں تمام مراحل و مدارج فرد واحد کی زندگی میں تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔ آپ فرد واحد سے دعوت کا آغاز کر رہے ہیں۔ آپ کے پاس نہ کوئی جماعت ہے نہ ہی پہلے سے بنی ہوئی کوئی امت ہے۔ دعوت لے کر اٹھتے ہیں تو اپنی زوجہ محترمہ' اپنے جگری دوست' اپنا آزاد کردہ غلام' اور اپنے چچا زاد بھائی ایمان لاتے ہیں۔ دس سال کی محنت شاقہ سے بمشکل سوا سو یا ڈیڑھ سو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ پھر وہی فرد واحد کوہ صفا پر کھڑے ہوکر بھی "وا صباحا" کا نعرہ بھی لگاتا ہے۔ اور آپ دیکھیں گے کہ ایک مرحلے میں وہی شخص میدان بدر میں فوج کی قیادت فرما رہا ہے۔ یہاں تک کہ انقلاب کی تکمیل تک وہی شخص تمام مراحل میں قیادت کے تقاضے پورے کر رہا ہے۔ یہ بات آپ کو پوری انسانی تاریخ میں اور کہیں نہیں ملے گی۔ اس اعتبار سے ہمیں یقین ہوجانا چاہیے کہ انقلابی عمل کا واحد ذریعہ

اور ماخذ سیرۃ محمدی ہے۔

اب میں سیرۃ النبی ﷺ سے اخذ کردہ مراحل انقلاب کی طرف آتا ہوں۔ اس سے پہلے میں منہج انقلاب نبوی کو چھ مراحل میں بیان کرتا رہا ہوں۔ وہ چھ مراحل دعوت، تنظیم، تربیت، صبر محض (Passive Resistance) اقدام (Active Resistance) اور مسلح تصادم (Armed conflict) ہیں۔ آج میں ان مراحل کو سادہ زبان میں مختصر کرتے ہوئے تین مراحل میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ پہلا مرحلہ "دعوت ایمان بذریعہ قرآن" کا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہر نظام کی کوئی فلسفیانہ بنیاد ہوتی ہے۔ جب تک یہ فلسفہ ذہن میں نہ بیٹھ جائے کسی انقلاب کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اسلام کے لئے نظریاتی و فلسفیانہ بنیاد ایمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے سورۃ حجرات کی ان آیات کا درس کئی بار دیا ہے کہ جن میں ایمان اور اسلام کو دو الگ حقیقتیں قرار دیا گیا ہے تاکہ یہ مغالطہ رفع ہوجائے کہ ہم مومن ہیں۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم مومن نہیں ہیں بلکہ ہمارے پاس ایک موروثی عقیدہ ہے۔ ایمان ایک بہت بڑی طاقت اور نور ہے۔ دل میں ایمان حقیقی ہو اور عمل میں جہاد نہ ہو' یہ ناممکن ہے۔ ایمان درحقیقت کسی اور شے کا نام ہے اور اسلام کسی اور شے کا نام ہے۔ چنانچہ سورہ حجرات کی آیت ۱۴ میں ہے کہ "قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم" یعنی یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اے نبی ﷺ ان سے کہہ دیں کہ تم ایمان ہرگز نہیں لائے ہو۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اور ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا۔

ہماری عظیم اکثریت کا حال یہی ہے۔ ہم اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمان والدین کے گھر پیدا ہوئے ہیں۔ ایک موروثی عقیدہ ہے کہ جو دماغ کے کسی گوشہ میں موجود ہے۔ اس عقیدہ کا ہمارے فکر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہماری وہ اقدار کہ جن سے ہمارا طرز عمل متعین ہوتا ہے' ہمارے عقیدہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے بچے ہوئے "الا ماشاء اللہ" یہ بہت قلیل لوگ ہیں ورنہ ہم میں سے اکثر و بیشتر کا حال یہ ہے کہ ہم صرف مسلمان ہیں۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل سمجھنا چاہئے کہ اس نے ہمیں مسلمانوں کے گھر میں پیدا کیا ہے ورنہ خدانخواستہ کسی ہندو یا عیسائی کے ہاں پیدائش ہوگئی ہوتی تو ہم میں سے کتنے ہوتے جو ایمان قبول کرلیتے۔ ہر شخص اپنا جائزہ لے سکتا ہے۔ سورۃ حجرات کی اگلی آیت میں ایمان کو define کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ "انما المومنون الذین امنوا باللہ و رسولہ ثم لم یرتابوا وجھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصدقون" یعنی مومن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر پھر شک میں ہرگز نہ پڑے اور وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں حقیقی ایمان کا ذکر ہے۔ ایسا ایمان جو یقین کے درجے کو پہنچ چکا ہو۔ بقول اقبال۔

یقین پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

سورۃ حجرات کی مذکورہ بالا آیت سے ثابت ہوا کہ ایمان اور جہاد لازم وملزوم ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ دل میں ایمان حقیقی موجود ہو اور عمل میں جہاد نہ ہو۔ لہٰذا اس انقلابی عمل کا پہلا مرحلہ دعوت ایمان بذریعہ قرآن ہے۔ اسی لئے سورۃ نساء آیت نمبر ۱۳٦ میں فرمایا گیا ہے کہ "یاایھاالذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی نزل علی رسولہ والکتاب الذی انزل من قبل" یعنی اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے نازل فرمائی--- گویا اس آیت مبارکہ میں کہا گیا ہے کہ ایک قانونی ایمان ہے جو کہ تمہیں پہلے سے حاصل ہے لیکن حقیقی ایمان جو کہ ایک بہت بڑی قوت ہے' اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

یہاں ایک اور بات بھی نوٹ کرنی چاہئے کہ حصول ایمان کے قرآن کے علاوہ بھی کچھ راستے ہیں۔ اس بات کو میں تسلیم کرتا ہوں کہ حصول ایمان کا سب سے آسان ذریعہ اصحاب ایمان و یقین کی صحبت کو اختیار کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ "یایھاالذین امنوا کونوا مع الصدقین" کہ ایمان والو سچوں کی معیت میں رہو۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کہیں آگ جل رہی ہو تو اس کے قریب رہنے سے حرارت خود بخود پہنچے گی۔ اس کے بعد کسی اور محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ گویا اصحاب ایمان کا قرب ہی کافی ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

حصول ایمان کا دوسرا راستہ احکام خداوندی پر عمل پیرا ہونے کا ہے۔ یہ دو طرفہ عمل ہے۔ ایمان سے عمل صالح پیدا ہوتا ہے اور عمل صالح کا اضافہ ایمان میں اضافے کا ذریعہ بنتا ہے۔ گویا مسلسل عمل سے بھی ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اب جو میں بات کہنا چاہتا ہوں وہ بہت ہی اہم ہے۔ یہ بات ہمیں سمجھ لینی چاہئے کہ ان دونوں طریقوں سے جو ایمان پیدا ہوتا ہے وہ غیر شعوری ہوتا ہے۔ اس ایمان کے ساتھ Intellectual Element شامل نہیں ہوتا۔ ان دو طریقوں سے جو ایمان پیدا ہوتا ہے اسے Blind Faith کہیں گے۔ لیکن اس غیر شعوری ایمان کا اثر بھی اس کے عمل پر پڑے گا۔ ایسا صاحب ایمان شخص بھی دین کے لئے قربانی میں کمی نہیں کرے گا۔ یہ Blind Faith بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ انقلابی عمل کے آغاز کے لئے اس شعوری ایمان کی ضرورت ہے جس کے ساتھ Conviction شامل ہو۔ یہ Conviction کسی نہ کسی Intellectual Element کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔ انقلابی عمل جب ان مراحل میں داخل ہوجائے جب جان کی بازی کھیلنے کی ضرورت ہے' اس وقت اگر مل جائیں تو یہ Blind Faith والے بھی بہت قیمتی ہوں گے۔ اس لئے کہ اس وقت جان کی بازی کھیلنے کے لئے ان کے اندر بھی پوری قوت اور آمادگی ہوگی۔

قرآن حکیم کی سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۸ میں اس شعوری ایمان کا ذکر ان الفاظ میں ہوا کہ "قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی" کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ لوگو یہ ہے میرا راستہ' میں اللہ کی طرف "علی وجہ البصیرہ" بلا رہا ہوں' نہ صرف میں بلکہ میرے ساتھی بھی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں ٹیڑھا ہونے لگوں تو تم کیا کروگے؟ اس پر ایک شخص مجمع میں سے کھڑا ہوگیا' تلوار نکال لی اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آپکی اس سے سیدھا کریں گے! اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جن کی قیادت میرے ہاتھ میں ہے یہ کوئی اندھے بہرے نہیں ہیں بلکہ زندہ اور باشعور لوگ ہیں۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ کئی گنا بڑی بات ہے

جو حضور ﷺ سے کہلوائی گئی ہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہیں مار رہے۔ یہ بات آپ ﷺ نے صرف اپنے بارے میں ہی نہیں کہی بلکہ اپنے رفقاء کے بارے میں بھی کہی ہے۔ یہ دراصل وہ ایمان ہے کہ جس کے ساتھ شعور اور بصیرت باطنی موجود ہے۔ اس ایمان کے حصول کا واحد منبع اور سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ یہ شعوری ایمان قرآن کے سوا اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ بقول مولانا ظفر علی خاں مرحوم۔

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآن کے سیپاروں میں

اسی طرح علامہ اقبال نے ایک بہت اچھا شعر اپنی زندگی کے آخری ایام میں کہا ہے کہ۔

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب!

گویا جتنا کچھ بھی فلسفہ وغیرہ پڑھا ہے یہ تو کھجور کا ایسا درخت ہے کہ جس میں کھجور ہی نہیں لگتی لہٰذا اقبال نے ایک دوسرے شعر میں کہا ہے کہ۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

اس شعوری ایمان کا ذکر قرآن حکیم بار بار مختلف اسالیب میں کرتا ہے مثلاً "لعلکم تعقلون" اور "لقوم یعقلون" وغیرہ۔ سورۂ آل عمران میں انہی لوگوں کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے کہ "الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا"

اس حوالے سے کہ شعوری ایمان کا ذریعہ قرآن حکیم ہے، ہمارے پاس نقلی دلائل بھی موجود ہیں۔ قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے لئے جتنی بھی اصطلاحات آئی ہیں ان سب کے لئے قرآن کو ذریعہ معین کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے کہ "فذکر بالقرآن من یخاف وعید" کہ اے نبی یاد دہانی کرایئے قرآن کے ذریعے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر آتا ہے کہ "قل اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم ومن بلغ" کہہ اے نبی کہہ دیجئے کہ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہیں خبردار کردوں۔ سورۂ مریم کی آیت نمبر ۹۷ میں آتا ہے کہ "فانما یسرنہ بلسانک لتبشر بہ المتقین و تنذر بہ قوما لدا" یعنی اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان مبارک پر آسان کر دیا ہے تاکہ آپ بشارت بھی دیں تو اس کے ذریعے اور انذار بھی فرمائیں تو اس کے ذریعے۔ اسی طرح تبلیغ کے لئے فرمایا کہ "بلغ ما انزل الیک من ربک" پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا۔ قرآن حکیم کے علاوہ ہمیں سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے لمبے چوڑے خطبے نہیں دیئے بلکہ آپ ﷺ جہاں بھی جاتے قرآن حکیم پڑھ کر سناتے تھے۔

چنانچہ اس انقلابی جدوجہد کا پہلا قدم دعوت ایمان بذریعہ قرآن ہے۔ اس حقیقی ایمان کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ عمل درست ہوگا۔ یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے کہ دل میں حقیقی ایمان ہو اور عمل میں تبدیلی نہ آئے یہ ناممکن ہے! اس دعوت ایمان کا دوسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے یعنی جو خلافت شخصی عطا کی ہے' اس کو اللہ کے دین کے لئے کھپا دے گا۔ یہ بات ہمارے سامنے پہلے خطبہ خلافت میں آ چکی ہے کہ ایک خلافت شخصی ہے یعنی جس جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خلافت عطا کی ہے اس کو اس کے راستے میں لگا دینا۔ چنانچہ سورۂ حدید میں آتا ہے کہ "امنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ" "یعنی ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں خلافت عطا کی ہے" گویا یہ خلافت شخصی کا پہلا تقاضا ہے۔ ایمان پیدا ہو جائے گا تو اس کا منطقی نتیجہ وہ نکلے گا جو ہم سورہ صف کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ سورۂ صف میں فرمایا گیا کہ "تومنون باللہ ورسولہ و تجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم" گویا دل میں ایمان حقیقی ہوگا تو عمل میں لازماً جہاد ہوگا۔

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ تزکیہ کوئی علیحدہ عمل نہیں ہے۔ اس ضمن میں بہت سی چیزیں باہر سے آ کر شامل ہوگئی ہیں۔ حضور ﷺ کا "سلوک" کل کا کل قرآن کے ذریعے تھا۔ یہ بات منطقی طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ ایمان میں جتنی گہرائی بڑھتی چلی جائے گی باطن زیادہ سے زیادہ منور ہوتا چلا جائے گا۔ نور ایمان سے ظلمات اور تاریکیاں چھٹتی چلی جائیں گی۔ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "ان الشیطن یجری من الانسان مجری الدم" یعنی شیطان انسان کے وجود میں خون کی طرح سرایت کر جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے کہ۔

کشتن ابلیس کار مشکل است
زاں کہ او گم اندر اعماق دل است
خوشتراں باشد مسلمانش کنی
کشتہ شمشیر قرآنش کنی

اقبال کہتے ہیں کہ ابلیس کو مار ڈالنا بہت مشکل ہے' اس لئے کہ وہ تو انسان کے دل میں ڈیرہ لگا لیتا ہے جیسے کہ جسم میں خون گردش کر رہا ہو۔ اب خون تو جسم کے ایک ایک سیل میں پہنچ رہا ہے۔ اب اسے کیسے مارا جائے؟ اقبال کا دوسرا شعر ایک اور ارشاد رسول کا ترجمان ہے۔ وہ حدیث مبارکہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کی محفل میں فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ بہت بڑی ہمت کرتے ہوئے کسی صحابی نے آپ سے پوچھ لیا کہ "کیا حضور ﷺ آپ کے ساتھ بھی کوئی شیطان ہے؟"---- ان صحابی کا احسان مانیئے اس لئے کہ اگر وہ ہمت کر کے نہ پوچھتے تو حکمت کے یہ موتی اور ہدایت و معرفت کے یہ ہیرے ہم تک کیسے پہنچتے! آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی ہے مگر میں نے اسے مسلمان بنا لیا ہے۔ اسی حدیث مبارکہ کی ترجمانی اقبال نے یوں کی ہے کہ۔

خوشتراں باشد مسلمانش کنی
کشتہ شمشیر قرآنش کنی!

اپنے اس شیطان کو قرآن کے ذریعے مسلمان بناؤ۔ اس لئے کہ قرآن بھی وہ شے ہے جو تمہارے وجود میں سرایت کر جائے گی۔ اس بات کو بھی اقبال نے کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہ قرآن جب کسی کے اندر سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب عظیم برپا ہو جاتا ہے۔ اس کا فکر ہی بدل کر رہ جاتا ہے۔ پہلے زندگی سب سے زیادہ قیمتی شے نظر آ رہی تھی جبکہ اب شہادت کی موت سب سے قیمتی شے نظر آ رہی ہے۔ یہی بات حضرت خالد بن ولید ؓ نے کہی تھی۔ انہوں نے دشمن کی فوج کو پیغام بھیجا تھا کہ دیکھو میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جنہیں موت اتنی ہی عزیز ہے کہ جتنی تمہیں زندگی! تم ان لوگوں کا کیسے مقابلہ کرو گے۔ بقول غالب۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہئے!

اور بقول علامہ اقبال۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

جن لوگوں کا زندگی اور موت کے بارے میں یہ نقطۂ نظر ہو انہیں خوف کس چیز کا ہے۔ اسی لئے غزوۂ موتہ کے موقع پر تین ہزار صحابہ کا مقابلہ ایک لاکھ کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی خبر ملی تھی کہ ایک لاکھ کا لشکر لے کر ہرقل بھی موجود ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ دونوں لشکر جمع ہوگئے تھے۔ گویا تین ہزار کا چھوٹا سا لشکر دو لاکھ کی فوج سے ٹکرا گیا۔ جب صحابہ میں مشورہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو شہادت کی تمنا ہے، ہم فتح کے لئے تو آئے ہی نہیں ہیں۔ حضرت جعفر طیار ؓ بھی اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ یہ وہ اندر کا انقلاب تھا جو قرآن کے ذریعے برپا ہوا۔

میں نے منہج انقلاب نبوی کے دو مراحل کو یکجا کر کے ایک مرحلہ کے طور پر بیان کیا ہے۔ انقلاب کے لئے سب سے پہلے ایسے مردان کار کی ضرورت ہے کہ جن کے قلوب و اذہان نور ایمان سے منور ہو چکے ہوں۔ یہ بات نوٹ کر لینی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جن کو مردان کار نہیں ملے وہ انقلاب برپا نہیں کر سکے۔ ظاہر بات ہے کہ ناکام وہ نہیں ہوئے بلکہ قومیں ہوئی ہیں۔ حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کے ساتھ یہی کچھ تو ہوا ہے۔ یہ جان نثار کیسے پیدا ہوں گے؟ یہ لوگ آپ کی دعوت سے اس انقلابی فکر کی طرف کھنچیں گے۔ یہ دعوت، دعوت ایمان ہوگی اور اس کا ذریعہ قرآن ہوگا۔ اب ان جان نثاروں کی تربیت و تزکیہ ہوگا۔ یہ تزکیہ کا عمل بھی قرآن ہی کے ذریعے ہوگا۔ گویا یہ دونوں عمل یعنی دعوت اور تزکیہ قرآن کے گرد گھوم رہے ہیں۔

یہ مضمون قرآن حکیم میں چار مقامات پر آیا ہے۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں آتا ہے کہ "ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" کہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ مضمون سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 164 میں ان الفاظ میں آیا ہے کہ "لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین" یعنی اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا، ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔ ان دو مقامات کے علاوہ یہ مضمون سورۂ بقرۃ میں بھی دو بار آیا ہے۔ یہ سارا عمل مردان کار کی تیاری ہے۔

یہ بات اس سے پہلے بھی کہی گئی ہے کہ مجاہد ہوں گے تو جہاد کا عمل شروع ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے چھ لاکھ افراد نکلے تھے۔ ان کے بارہ قبیلے تھے جن کی نفری چھ لاکھ تھی۔ لیکن یہ بہت ہی "بودے" لوگ تھے۔ ہجرت کے بعد قتال کا مرحلہ آتا ہے، جس طرح سیرۃ محمدی ﷺ میں ہجرت کے بعد بدر کا مرحلہ آیا تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ مرحلہ پیش آیا۔ جب انہوں نے قوم کو جنگ کے لئے کہا تو قوم نے کورا جواب دے دیا کہ "فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون" کہ جاؤ موسیٰ تم اور تمہارا رب جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کریں؟ اب انہوں نے اللہ کی جناب میں فریاد کی "قال رب انی لاأملک الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفسقین" کہ موسیٰ نے کہا اے اللہ مجھے تو اپنی جان کا اختیار ہے اور اپنے بھائی ہارون کی جان کا۔ یہ پوری قوم کورا جواب دے رہی ہے۔ پس ہمارے اور ان کے درمیان اب تفریق کر دے۔ اب میں ان نابنجاروں کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہوں کہ جنہوں نے اتنے عظیم معجزے دیکھے اس کے باوجود جن کا حال یہ ہے!

(جاری ہے....)

ڈاکٹر اسرار احمد
صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے — اعلیٰ معیار کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ
رسول کامل
یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور
فرائض دینی اور اسوۂ رسول
سورۂ احزاب کے رکوع ۳ کی روشنی میں

بقیہ: جو ایک شہر تھا

ہیں، کراچی پیکیج کو بھی دام ہم رنگ زمین بنا کر رکھ دیا ہے۔ لیکن اہل کراچی باشعور لوگ ہیں۔ وہ اس دام ہم رنگ زمین میں پھنسنے کے لئے تیار نہیں۔ باشعور لوگوں کے دلوں میں محبت سے گھر کیا جاتا ہے اور دلائل سے قائل کیا جاتا ہے۔ یہ طوفان آج بھی رک سکتا ہے۔ اس کے لئے پُر خلوص کوششیں شرط ہیں۔ اہل اقتدار کو چاہئے کہ جس طرح وہ عوامی نمائندگی کے حق کو استعمال کر رہے ہیں اسی طرح وہ ایم۔ کیو۔ ایم کو بھی عوامی نمائندگی کا حق استعمال کرنے دیں۔ اگر ان کے رہنماؤں میں سے کچھ پر فوجداری مقدمات قائم ہیں تو انہیں ان مقدمات کی پیروی کے لئے سہولتوں کے ساتھ ساتھ انصاف فراہم کریں اور اگر کسی پر جرم ثابت ہوجائے تو اسے علی الاعلان عبرتناک سزا دیں تاکہ ملک ایسے فساد سے پاک ہوسکے۔ ایم۔ کیو۔ ایم کو بھی چاہئے کہ وہ ایک تعمیری حزب اختلاف کا رول ادا کرے۔ عوامی نمائندگی کے تقاضے صرف اقتدار میں رہ کر ہی پورے نہیں کئے جاسکتے، حزب اختلاف میں رہ کر زیادہ موثر طور پر ادا کئے جاسکتے ہیں۔ حقیقی والوں کو بھی چاہئے کہ وہ "ایاز قدر خود بشناس" کا رویہ اختیار کریں۔ ان کے اکثر و بیشتر رہنما سیاست سے لاتعلق ہوچکے ہیں، باقی بھی اپنی توانائیاں مثبت کاموں میں صرف کریں۔ اس قوم کو بے شمار مسائل درپیش ہیں، ان کے حل کے لئے اپنی توانائیاں لگائیں۔ آپس کے قتل و قتال سے اس الزام کی تصدیق نہ کریں کہ سارے ہی ایم۔ کیو۔ ایم والے دہشت گرد ہیں بلکہ اس جنگ و جدال کو فوری طور پر بند کریں۔

اپوزیشن کو بھی چاہئے کہ وہ ایم۔ کیو۔ ایم والوں کی صلاحیتوں کو بہتر طور پر ملک و قوم کے حق میں استعمال کریں نہ کہ اسے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ علماء فرقوں اور مسلکوں کی تبلیغ بند کر کے پورے دین کی تبلیغ پر کمر بستہ ہوجائیں اور برائی کو بزور قوت روکنے کے فریضہ سے ان کے پہلو تہی کرنے سے آج ہمارا ملک اور اس کے باشندے عذاب خداوندی میں گرفتار ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو کہیں خاکم بدہن اس بستی کو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے انہیں پر نہ پلٹ دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ○○

ہم کدھر جا رہے ہیں؟------ رُخ تو مقتل کی طرف ہے!

مغرب کی اندھی تقلید میں اس 'ترقی' نے کوئی ردِ عمل پیدا نہ کیا

کیا اصلاح کی کوشش کا وقت گزر چکا ہے؟

نجیب صدیقی

روزنامہ جنگ مورخہ ۱۱/اگست کو صفحہ دو پر مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی ہے اور اس خبر کو باقاعدہ ایک چوکھٹے میں نمایاں کیا گیا ہے تاکہ اس پر نظر ضرور پڑھے۔ اس خبر کا عنوان یہ ہے کہ "ہم کدھر جا رہے ہیں؟" اب وہ خبر بھی ملاحظہ فرمایئے۔ "کراچی جنگ نیوز۔۔ پاکستانی معاشرہ کس تیزی سے مغرب کی اندھی تقلید میں "ترقی" کی منازل طے کر رہا ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگا سکتے ہیں کہ اب سرِعام پبلک ٹرانسپورٹ میں قحبہ گری کے اشتہارات چسپاں کئے جانے لگے ہیں۔ سہراب گوٹھ اور ٹاور کے درمیان چلنے والی ایک اسپیشل کوچ کی کھڑکی کے شیشے پر انگریزی میں الیکٹرانک ٹائپ رائٹر پر ٹائپ شدہ ایک ایسا ہی اشتہار چسپاں دیکھا گیا ہے۔ اس اشتہار میں انتہائی بے باکی کے ساتھ قارئین کے لئے یہ پیغام درج تھا۔ نوجوان اور خوبصورت کال گرل انتہائی مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔ خواہش مند حضرات مسٹر...... سے رابطہ کریں" اس کے نیچے دو ٹیلیفون نمبر درج تھے ان میں ایک نمبر موبائل ٹیلیفون کا تھا۔

یہ خبر ایسی نہ تھی جو نگاہوں میں نہ آتی اور پڑھنے والا چونک نہ جاتا۔ مگر آج چار یوم ہو چکے ہیں کہ اس پر کوئی ردِ عمل اخبار میں نظر سے نہیں گزرا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اخبار مذکور ہی اس پر اداریہ لکھتا اور انتظامیہ سے سوال کرتا کہ کیا یہ بھی ترقیاتی اسکیموں میں سے کوئی ایک اسکیم ہے۔ پھر ہمارے علمائے کرام جو ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے ہیں' ان کی طرف سے کسی ردِ عمل کا نہ آنا ہماری پستی کی نشاندھی کرتا ہے۔ ہمارے یہ کالم نگار جو موضوع کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں' اگر ان کا تعلق برسرِاقتدار گروپ سے ہے تو انہیں سارے کیڑے اپوزیشن میں نظر آتے ہیں اور اگر ان کا رابطہ اپوزیشن سے ہے تو برسرِاقتدار طبقے کی کوئی ادا انہیں نہیں بھاتی۔ اس خبر پر ان کے ماتھے پر بھی کوئی پسینہ نہیں آیا اور نہ ان کے قلم سے افسوس کا ایک بھی آنسو ٹپکا۔! مسلکی سیاست کرنے والی جماعتوں کو بڑی بڑی برائیاں نظر نہیں آتیں۔ انہیں تو صرف اپنے مخالف گروپ میں ہی تمام منکرات نظر آتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ کس سمت جا رہا ہے انہیں اس کا کوئی احساس نہیں ہے۔ ان کا سارا دین مسلک کے پرچار میں ہے۔ یہ پرچار بھی جارحانہ انداز پر کیا جاتا ہے۔ ہر قدم پر اخلاقی حدود کو پامال کیا جاتا ہے۔ جہاں تک عوام الناس کا تعلق ہے تو وہ مہنگائی کی چکی میں جھونکے جا چکے ہیں۔ مذہب کے محدود تصور نے انہیں پہلے ہی مادہ پرست بنا دیا تھا' اب تو وہ اپنی تمام توانائیاں خرچ کر کے بھی اپنے بچوں کے لئے بڑی دشواری سے دو وقت کی روٹی مہیا کرتے ہیں۔ جس معیار زندگی پر وہ کھڑے ہیں وہاں قائم رہنے کے لئے ان کے دن اور راتیں صرف ہو رہی ہیں۔

مادر پدر آزاد معاشرے میں قحبہ گری کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے۔ ہمارا ٹیلیویژن نفسانی محرکات کو اپنے عروج تک پہنچانے میں دن رات سرگرداں ہے۔ ٹیلیویژن کے پروگراموں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ تو اپنی جگہ پر ہے' ان میں جو اشتہارات دیئے جاتے ہیں وہ تو سراپا دعوت گناہ ہوتے ہیں۔ جو جتنا زیادہ دلکش اور پرکشش اشتہار ترتیب دیتا ہے وہ سال بہ سال انعام کا مستحق بھی ہوتا ہے۔ ان میں چلنے والے ڈراموں کا جو انداز ہے اور ان میں خواتین کے جو لباس نمایاں کئے جاتے ہیں وہ نوجوان نسل کو کسی خیر کی طرف نہیں لے جاتے۔ یہ دور تو خواتین کا دور ہے۔ جرائم کے لئے خواتین کے تھانے بنائے جا رہے ہیں۔ پہلے تو ان کا مقام شانہ بشانہ سمجھا جا رہا تھا اب تو یہ شانوں پر چڑھ کر اپنا کرتب دکھا رہی ہیں۔

قحبہ گری کے رجحان کو ہوا دینے کے لئے اخبارات بھی پیچھے نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے بھی دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے۔ اسلامی اقدار سے ستر بار توبہ کرنے کے بعد اب ایسی ایسی تصویریں شائع کر رہے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر نوجوان طبقہ مچل جاتا ہے۔ عوام کو بگاڑنے میں یہ اپنے حصے کا کام بڑی تیزی سے کر رہے ہیں۔

پھر یہ مخلوط معاشرت اور مخلوط مجالس کے اثرات تو یقیناً ظہور پذیر ہونے ہیں۔ تیز دھار چھری کو جب گلے پر پھیریں گے تو شہ رگ تو کٹے گی اور ایسا ہی ہوا ہے۔ پردہ ترک کر دینے کے بعد مخلوط مجلسوں کا زور بڑھ گیا ہے۔ پہلے تو یہ "وبا" صرف بڑے لوگوں میں تھی اب یہ "وائرس" مڈل کلاس اور لوئر مڈل کلاس میں تیزی سے پھیل گیا ہے۔ شادی بیاہ کی مجلسوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے اور یہ شادی ہال حسن کا "جمعہ بازار" نظر آتے ہیں۔ اس تیز دھار چھری نے اسلامی اقدار کو ذبح کیا اور اس چھری کی نوک نے اخلاقی اقدار کے ایک ایک بخئے کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔

ہمارے بچے اور بچیاں جن مخلوط اداروں میں تعلیم پا رہے ہیں ان اداروں سے جس سیرت و کردار کی توقع کی جا سکتی ہے وہ سامنے آ رہی ہے۔ ان اداروں میں شیخ سعدیؒ کی نصیحتیں تو نہیں پڑھائی جاتیں' انہیں تو وہ پڑھایا جاتا ہے کہ جب وہ کالج سے فارغ ہوں تو شرم و حیاء سے فراغت کا سرٹیفکیٹ ساتھ لے کر جائیں۔ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کے لئے اور جدید دور کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کی ایسی تربیت ضروری ہے۔ یہ بات بھی سننے میں آتی ہے کہ بہت سے استاد اور استانیاں جو کالجوں میں پڑھاتی ہیں فارغ اوقات میں ٹیلیویژن کے ڈراموں میں شریک ہوتی ہیں اور ماڈلنگ بھی کرتی ہیں۔ ایسی سیرت و کردار کی تربیت یافتہ نسل سے ہمارا معاشرہ کیا توقع کر سکتا ہے۔

یورپ آج جس عذاب میں گرفتار ہے اور خاندانی نظام کا جو حشر و نشر وہاں ہوا ہے' ہم نے اس سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا بلکہ اس کی اندھی تقلید میں اس "مقتل" کی طرف بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ کیا موجودہ صورتحال کو اس کے منطقی انجام تک پہنچنے

کے لئے چھوڑ دیا جائے یا اصلاح احوال کی کوئی کوشش ہونی چاہیے۔

قرآن مجید نے واقعہ سبت کے حوالے سے رہتی دنیا تک کے لئے رہنمائی دی ہے۔ ہر معاشرے میں تین گروہ موجود ہوتے ہیں۔ پہلا گروہ برائی پر کمربستہ ہوتا ہے اور اس برائی کے پشت پناہ اس معاشرے کے سربر آوردہ لوگ ہوتے ہیں۔ دوسرا گروہ اقل قلیل ہوتا ہے جو ان برائیوں پر ٹوکتا ہے' احتجاج کرتا ہے اور اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ تیسرا گروہ غیر جانب دار ہوتا ہے اگرچہ وہ برائی میں ملوث نہیں ہوتا مگر برائی کی مزاحمت بھی نہیں کرتا۔ الٹا وہ دوسرے گروہ کے لوگوں سے کہتا ہے کہ انہیں یہ کرنے دو' یہ خود اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ قرآن کا پسندیدہ گروہ دوسرا گروہ ہے' جسے اس کے الفاظ میں "ان لوگوں کو بچالیا گیا جو برائی سے منع کرتے تھے"۔ بقیہ دونوں گروہ تباہ کردیئے گئے۔

جس ملک میں شخصی حکومت یا بادشاہت ہوتی ہے وہاں کلمہ حق سلطان جابر کے سامنے کہنا جہاد کا بلند ترین درجہ ہوتا ہے۔ ماضی میں ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں نے کلمہ حق کہا ہے اور جام شہادت نوش کیا ہے۔ موجودہ دور جمہوریت کا ہے۔ جہاں شخصی حکمرانی نہیں ہے بلکہ جماعتی حکمرانی ہے۔ جماعتیں اپنے منشور کے ذریعہ عوام کی تائید سے حکومتیں بناتی ہیں۔ عوام جب تک چاہتے ہیں وہ برسراقتدار رہتی ہیں اور جب عوام کا اعتماد کھودیتی ہیں تو وہ اپوزیشن میں چلی جاتی ہیں اور اعتماد حاصل کرنے والی دوسری جماعت برسراقتدار آجاتی ہے۔

پاکستان ایک جمہوری ملک ضرور ہے مگر اس کے اصل حکمراں جاگیردار' وڈیرے اور سرمایہ دار ہیں۔ یہی لوگ اپوزیشن میں بھی ہیں اور حکمرانی بھی انہی کا مقدر ہے۔ عوام الناس کے حلقوم پر براجمان ہیں۔ لہٰذا یہاں کوئی تبدیلی بذریعہ ووٹ نہیں آسکتی' اگر یہ تبدیلی آنی ہوتی تو ۴۵ برس کے اندر کبھی تو آتی۔ جہاں تک دعوت و نصیحت کے ذریعہ انہیں سدھارنے کا تعلق ہے تو یہ امر محال ہے۔ ان کی باتیں سنئے تو مبلغ معلوم ہوتے ہیں' تقریر سنئے تو اسلام کے شیدائی دکھائی دیتے ہیں۔ مگر عمل میں شیطان بھی ان سے پناہ مانگتا ہے۔ معاشرے کو بگاڑنے کا شاید اسے بھی اتنے گر معلوم نہ ہوں۔ جہاں تک کلمۂ حق کا تعلق ہے تو جمہوریت نے اتنی آزادی دی ہوئی ہے کہ آپ کہتے رہئے اور وہ سنتے رہیں گے اور کریں گے وہی جو وہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہاں تبدیلی لانے کی صرف اور صرف ایک ہی صورت ہے کہ انقلاب لایا جائے۔

انقلاب لانے کے لئے ایک نظریہ ہوتا ہے جو اتنا پرکشش اور طاقتور ہوتا ہے کہ لوگ اسے اختیار کرنے میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ ہمارے پاس تو ایک ایسا نظریہ ہے جو قدم قدم پر کامیابی کی بشارت دیتا ہے۔ یہ نظریہ ہمارا دین ہے۔ ہمارے ایمان کا جز ہے۔ ہماری زندگی کا نصب العین ہے۔ ہمارے وجود میں روح کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے۔ نظریہ کے ساتھ وہ طریقہ کار ہے جو اسے کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ وہ طریقہ کار بھی ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں بتادیا ہے اور اس پر عملاً چل کر ایک اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی تھی۔ آج بھی اس کے سنگ ہائے میل روشن ہیں۔ ہم اس پورے دور کو چھ مراحل میں تقسیم کرتے ہیں' دعوت' تنظیم' تزکیہ' ہجرت' جہاد' قتال فی سبیل اللہ۔

ان تمام مراحل سے گزرنے کے لئے ایک ایسی انقلابی جماعت درکار ہوگی جو سمع و طاعت کے نظام میں بنیان مرصوص بن گئی ہو۔ جس کا اٹھنا بیٹھنا' جینا اور مرنا اس انقلاب کے لئے ہو۔ جب لوگوں کی معتدبہ تعداد اس جماعت میں شامل ہوجائے گی تو انقلاب آجائے گا۔ ہم اگر اس معاشرے میں نیکی کا بول بالا دیکھنا چاہتے ہیں تو اپنی غیر جانب داری کا رویہ ترک کرنا ہوگا۔ اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے ہمیں قربانی دینی ہوگی۔ جان و مال کی قربانی دئے بغیر نہ پہلے انقلاب آیا ہے نہ اب آئے گا۔

ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی کہ اس کی توانائیاں اس دین کے لئے خرچ ہوں جو مقصد حیات ہے۔ دنیا تو گزرنے والی شے ہے۔ جو لوگ اس دنیا سے گئے وہ اپنے ساتھ اس کا کوئی حصہ بھی نہ لے جاسکے۔ وہی کچھ لے گئے جو خیر انہوں نے انجام دیا تھا۔ دنیا کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کی قیمت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ ملتا۔ اب یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے کہ ہم اپنی توانائیاں کہاں خرچ کریں۔ نیکی کے فروغ اور دین کے قیام کے لئے یا اس دنیا کے لئے کہ جس کی تشبیہ ایک مردار کتے سے دی گئی ہے۔ OO

...جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب

اصلی والے کچھ نہ کرسکے

تو حقیقی والے سامنے آگئے ہیں

محمد سمیع

کہتے ہیں کہ جنگ آزادی کے دوران دہلی کی تباہی کے بعد جب میر تقی میر لکھنؤ پہنچے اور وہاں ایک مشاعرہ میں جب ان پر پھبتی چست کی گئی تو انہوں نے یہ قطعہ تحریر کیا تھا۔

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کردیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

ہم نہ شاعر اور نہ ہمارا دلی سے کوئی تعلق بہرحال اکتوبر ۱۹۷۲ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے خوابوں کی سرزمین کراچی پہنچایا تو میرے ساتھ جو کچھ گزری اس کی یاد آج اس لئے مجھے ستا رہی ہے کہ آج کا کراچی ۷۲ء کے کراچی سے ایک قطعی مختلف شہر بن گیا ہے۔

Air France کا طیارہ ہمیں لے کر رات تقریباً ڈیڑھ بجے کراچی ایرپورٹ پر اترا تو میں ایک عجیب الجھن میں گرفتار تھا۔ کراچی میرے لئے ایک اجنبی شہر تھا۔ رات کے ڈیڑھ بجے کے بعد میں جاتا تو کہاں جاتا۔ ہمارے ایک ہمسفر جو نیپال سے ساتھ تھے اور کراچی کے ہی رہنے والے تھے' اللہ ان کا بھلا

کرے کہ انہوں نے میری مدد کی۔ ایک نوجوان انہیں لینے کے لئے موٹر سائیکل پر آیا تھا۔ انہوں نے مجھے اس کے ساتھ کردیا کہ انہیں کسی ہوٹل میں چھوڑ دو۔ صبح یہ اپنے دفتر کا پتہ معلوم کرکے وہاں چلے جائیں گے (میں اس زمانے میں ایک ایسی انشورنس کمپنی سے وابستہ تھا جس کا ہیڈ آفس کراچی میں تھا اور جس نے میرا سفر خرچ برداشت کیا تھا) گھنٹوں چکر لگائے لیکن کوئی ہوٹل والا مجھے اپنے ہوٹل میں ٹھہرانے کو تیار نہ تھا کیونکہ (ان کے مطابق) انہیں پولیس کے محکمے سے یہ ہدایت تھی کہ رات کے بارہ بجے کے بعد کسی مسافر کو ہوٹل میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دینی۔ ایک کیفے کے سامنے موٹر سائیکل رکی۔ وہاں کچھ ٹیکسی ڈرائیور چائے پی رہے تھے۔ ہمیں پریشان دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ ہم نے اپنی بپتا سنائی تو انہوں نے کہا کہ سیٹھ ادھر بیٹھ کر چائے شائے پیو۔ تھوڑی دیر میں صبح ہوجائے گی پھر جہاں جی چاہے چلے جانا۔ میں اس شہر میں نووارد تھا لہٰذا ایسا نہ کرسکا۔

★ بہرحال کافی طویل جدوجہد کے بعد ایک ہوٹل والا تیار ہوگیا۔ وہ بھی ایک ڈبل بیڈ روم کی شرط پر۔ حالانکہ مجھے ڈبل بیڈ روم کی ضرورت نہ تھی لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ اس کی بات ماننی پڑی۔ صبح سویرے اٹھ کر کاؤنٹر پر گیا تو کاؤنٹر والے نے ایک فارم میرے سامنے رکھ دیا کہ اس کی خانہ پری کر دیجئے۔ یہ فارم غیر ملکیوں کے لئے تھا۔ میں نے کہا بھائی میں غیر ملکی نہیں ہوں بلکہ پاکستانی ہوں۔ (یہ اور بات کہ اس وقت نیپال کے سفارت خانے نے جو ٹرانزٹ پاسپورٹ جاری کیا تھا اس پر یہ شرط جلی حرفوں میں لکھی تھی کہ

"The issue of this Passport does not certify that the holder is a valid Pakistani"

یعنی اس پاسپورٹ کا اجراء تصدیق نہیں کرتا کہ اس کا حامل واقعی پاکستانی ہے۔ اور یہ اس شخص کو جاری کیا گیا تھا جس نے ایک بار ۴۷ء میں ہندوستان سے اپنا گھربار چھوڑ کر پاکستان کے لئے ہجرت کی اور دوسری مرتبہ ۷۲ء میں اپنا دوسرا گھر بار چھوڑ کر بقیہ ماندہ پاکستان کو ہجرت کرکے آیا تھا۔

کاؤنٹر والے نے کہا کہ جناب آپ تو بنگلہ دیش سے آئے ہیں۔ میں نے کہا نہیں میں مشرقی پاکستان سے آیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا لیکن اب تو وہ بنگلہ دیش ہے۔ میں نے جواب دیا کہ کیا ہماری حکومت نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرلیا ہے۔ سوچ کر کہنے لگے جناب ہمیں حکم یہی ہے کہ جو غیر ملک سے یہاں آئے اس سے یہ فارم پر کروایا جائے۔ لیکن میں غیر ملکی نہیں ہوں۔ میں نے کہا۔ بنگلہ دیش سے تو آئے ہیں! ان کا اصرار جاری تھا۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ کہنے لگے دہلی کا۔ میں نے کہا پھر تو آپ بھی غیر ملکی ہوئے۔ میں نے مزید کہا کہ کان کھول کر سن لیجئے میں ہرگز یہ فارم پر نہیں کروں گا۔ البتہ اگر آپ کو میری تفصیلات چاہئیں تو میں ایک سادہ کاغذ پر مہیا کرسکتا ہوں۔ خدا خدا کرکے وہ اس پر راضی ہوگئے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

صبح میں اپنی کمپنی کے دفتر گیا تو مجھے بڑے جوش و خروش کے ساتھ receive کیا گیا۔ سقوط ڈھاکہ سے اب تک کی تنخواہ بھی دی گئی تاکہ میرے اور بعد میں آنیوالے میرے اہل خانہ کے سفر کے اخراجات اس سے منہا کئے جاسکیں میں ان کی کمپنی کی چاٹگام شاخ کا منیجر تھا۔ مجھے یہاں آکر بڑا سکون ہوا۔ اول تو تمام لوگ اپنی زبان بولنے والے تھے۔ کراچی کے باہر کے لوگ

ہمارا امیر مال مست' غریب کھال مست اور عالمِ دین حال مست ہے

بھی آپس میں میل محبت سے رہتے۔ کراچی جو منی پاکستان کہلاتا تھا' آج لوگ اسے بیروت اور ہانگ کانگ اور پتہ نہیں کیا کیا بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آپس میں بھائیوں کی طرح رہنے والے' مختلف زبانیں بولنے والے' مختلف ثقافت اور تہذیب کے حامل لوگ پہلے بہاری پختون' پھر مہاجر پختون' مہاجر سندھی اور پتہ نہیں کن کن عنوانات سے آپس میں ایک دوسرے سے بھڑ گئے۔ نفرتوں کو عروج ہوا۔ صدیوں کا پیدا شدہ قلبی رشتہ جو اخوت پر مبنی تھا پارہ پارہ ہوا۔ اور آج صورتحال یہ ہے کہ ایم کیو ایم کے مختلف دھڑے یعنی مہاجروں کے مختلف گروپ ایک دوسرے کے قتل و قتال میں مصروف ہیں۔ اس پر بھی شیطانی ذہنیت کی تسکین نہ ہوئی تو اب شیعہ سنی فسادات کو شہ دی جارہی ہے۔ کوئی دن نہیں جاتا جب چار چھ قتل نہ ہوجاتے ہوں۔ آٹھ دس ڈکیتیاں نہ پڑتی ہوں۔ درجنوں گاڑیاں نہ چھینی جاتی ہوں۔ ایک اللہ کے ماننے والے' ایک رسول کے امتی' ایک قرآن کے پڑھنے والے' مسجدوں میں ایک ساتھ صف بستہ ہونے والے' حرم شریف کا ایک ساتھ طواف کرنے والے ایک ساتھ عمرہ ادا کرنے والے اور مسجد نبوی کی ایک ساتھ زیارت کرنے والے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارا امیر مال مست' ہمارا غریب کھال مست ہے اور ہمارے علماء حال مست ہیں۔ کوئی اللہ کا بندہ ایسی شخصیت کا حامل نہیں ہے جو اس صورتحال کو بہتر بنانے کے لئے اقدام کرسکتا ہو۔ سیاستدان ہیں کہ ان کے بیانات کو سن کر ایسا لگتا ہے کہ قوم کا ان سے زیادہ کوئی ہمدرد نہیں ہوسکتا لیکن جب ان بیانات کی گہرائیوں میں جھانکا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اپنے سیاسی مفادات کے حصول کا چکر ہے۔ علماء وہ ہیں کہ جو منبروں پر بیٹھ کر خاتم النبیین کی امت میں اتحاد پیدا کرنے کے بارے میں سوچنے کی بجائے اپنے مسلکوں اور فرقوں کی ترجمانی کررہے ہیں۔

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو میرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

۱۹۸۵ء میں سرسید گرلز کالج کے نزدیک بشریٰ زیدی کی ہلاکت سے اٹھنے والا یہ طوفان آج تمام اہل کراچی کے آشیانوں کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے ایم۔ کیو۔ ایم کو زبردست سیاسی قوت کا حامل بنایا لیکن وہ بھی اس طوفان کو نہ روک سکے۔ نتیجتاً آج سب سے زیادہ یہی طوفان کی زد میں ہیں۔ اصلی والے کچھ نہ کرسکے تو حقیقی والے سامنے آئے لیکن قوم کی مسیحائی کیا کرتے اہل کراچی کے درد میں اضافے کا باعث بن گئے۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے پیپلزپارٹی کو موقع دیا کہ وہ شہری قیادت کے ساتھ مل کر شہری اور دیہی منافرتوں کو ختم کرتی لیکن جہاں سیاست مفاد پرستی ٹھہرے وہاں مثبت نتائج کہاں برآمد ہوسکتے ہیں۔ اللہ والی جماعت آئی جے آئی کے منافقانہ رویوں نے اس طوفان میں شدت پیدا کی اور فوجی آپریشن کے جھگڑے میں اہل کراچی کو لپیٹ لیا۔ یہ جھگڑا جو مسلسل چل رہے ہیں اور پتہ نہیں کب تک چلتے رہیں اور کتنے آشیانوں کی تباہی کا باعث بن جائیں۔ پیپلزپارٹی کو اللہ تعالیٰ نے پھر ایک موقع درد کے درماں کے لئے فراہم کیا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔ کاش کہ بے نظیر بھٹو کراچی والوں کے زخموں پر پھایا رکھ سکے۔ لیکن اس پارٹی کے بزرجمہروں نے جو کبھی اہل کراچی کو "را" کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں کبھی الطاف حسین سے پینگیں بڑھاتے ہیں اور کبھی اس پر غداری کے مقدمے قائم کرتے

(باقی صفحہ ۸ پر)

یمن کے حالیہ واقعات نے خلیج کے تیل پیدا کرنے والے ممالک کو بے چین کر دیا

شاہوں اور شیوخ کو اب "سب اچھا" نہیں لگتا

سردار اعوان

مشرق وسطیٰ میں جہاں ابھی پرانے سیاسی قضیئے نپٹنے کی تگ ودو ہو رہی تھی کہ ادھر امریکی سعودی تعلقات میں ایک نئی الجھن پیدا ہو گئی ہے۔ سعودی عرب نے یمن کی حالیہ خانہ جنگی میں اپنی ٹانگ اڑا کر کلنٹن انتظامیہ کی جمہوریت کو "وسعت" دینے کی پالیسی کو گویا رد کر دیا ہے۔ سعودی عرب نے یمن کو ٹکڑے کرنے کی کوشش کر کے ایک طرح سے اپنا وہ بدلہ چکانا چاہا جو کچھ یمن نے خلیج کی جنگ میں عراق کا ساتھ دے کر اس کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن اس کا اصل سبب وہ سیاسی اور معاشی خطرہ ہے جو ایک متحدہ یمن کی طرف سے سعودی عرب کو پیش آسکتا ہے۔ تاہم سعودی عرب کو اپنی اس کوشش میں اس وقت منہ کی کھانا پڑی جب دو ماہ کی خانہ جنگی میں بالآخر یمن کی جمہوریت نواز فوج نے جنوب کے علیحدگی پسندوں کو شکست دے کر 2/جولائی کو عدن پر قبضہ کر لیا۔

مشرق وسطیٰ میں اگرچہ اسرائیل طویل عرصے سے ایک جمہوری ریاست کے طور پر موجود ہے' جسے اب سعودی عرب نے بھی شرفِ قبولیت بخش دیا ہے۔ لیکن عربوں میں یمن پہلا وہ ملک ہے جس نے 1991ء میں جمہوریت کا راستہ اختیار کیا۔ اس سے دوسرے عرب ممالک میں جمہوری حقوق حاصل کرنے کے خواہاں گروہوں کو شہ ملے گی جو سعودی حکمرانوں کے لئے خاص طور پر باعث تشویش ہے۔

سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد جنوبی یمن کو بیرونی امداد ملنا بند ہو گئی تو صدر' علی سالم البد کی سوشلسٹ پارٹی کے لئے اتحاد کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ ادھر شمالی یمن کے صدر علی عبداللہ صالح کی حکومت کو بھی بد عنوانی اور نااہلی کے الزامات کی بنا پر عوامی دباؤ کا سامنا تھا اس لئے اس نے بھی ادغام کے لئے آمادگی ظاہر کر دی۔ جس کے نتیجے میں 1990ء میں دونوں حکومتوں نے متحد ہو کر ایک ملی جلی حکومت قائم کر لی۔ جناب صالح صدر اور جناب البد نائب صدر مقرر ہوئے۔ نئی حکومت نے عوام کو بلا روک ٹوک سیاسی سرگرمیوں اور پریس کی آزادی کی یقین دہانی کرائی۔ جسے اس نے اپریل 1993ء کے انتخابات کروا کر پورا کر دیا۔ ان انتخابات میں چالیس سے زائد سیاسی جماعتوں اور ہزاروں کی تعداد میں آزاد امیدواروں نے حصہ لیا۔ ایک سو سے زائد ملکی اخبارات اور جرائد مختلف مسائل پر تبصرے اور آراء شائع کرتے ہیں۔ یہ انتخابات نہ صرف یمن بلکہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں اپنی نوعیت کے پہلے انتخابات تھے جن میں ایک سے زائد سیاسی جماعتوں کو ہی نہیں عورتوں کو بھی حصہ لینے کی اجازت تھی۔ اس کے مقابلے میں سعودی عرب پر ایک بہت بڑے شاہی خاندان کی حکمرانی ہے۔ الیکشن' عورتوں کے حقوق' اور پریس کی آزادی وغیرہ تو دور کی بات ہے' ایک بے ضرر سی مشاورتی کونسل بھی گوارا نہیں۔

سعودی عرب' اومان اور خلیج کے حکمرانوں کو بجا طور پر یہ تشویش لاحق ہے کہ یمن کی مثال سے ان کی بادشاہتیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ یمن کی پارلیمنٹ میں جس زوردار طریقے سے ملکی مسائل پر بحث مباحثہ ہوتا ہے اس کے کیسٹ اور وہاں کی حکومت کے خلاف اخباری بیانات اور تبصرے چوری چھپے سعودی عرب کے اندر پہنچتے رہتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں سعودی عوام کی شاہی خاندان کے خلاف بے چینی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گزشتہ سرما میں پہلی مرتبہ وہاں کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے بعض حضرات نے ایک کمیٹی تشکیل دینے کی کوشش کی' جس کا مقصد شاہی خاندان کی دولت جمع کرنے کی ہوس اور اس کے لئے کی جانے والی بے ضابطگیوں اور لوگوں کے جائز حقوق غصب کرنے کے خلاف آواز بلند کرنا تھا مگر حکومت نے اسے ایک سیاسی تنظیم قرار دے کر چند روز کے اندر اس کا بستر بوریا لپیٹ دیا کیونکہ سعودی عرب میں کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہے۔

یمن کے اندر 4/مئی کو جب خانہ جنگی شروع ہوئی تو نائب صدر البد اور ان کی پارٹی حکومت سے یہ کہہ کر الگ ہو گئی کہ ان کے پاس کوئی اختیارات ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ 21 مئی کو جنوبی یمن نے دوبارہ اپنی علیحدگی کا اعلان کر دیا جسے سعودی عرب نے فوراً تسلیم بھی کر لیا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ گزشتہ برس کے الیکشن سے قبل سعودی عرب یمن کی جمہوریت مخالف' بنیاد پرست اسلامی جماعت 'الاصلاح' اور شمالی یمن کے بعض قبائلی راہنماؤں کو بھاری مالی امداد دے کر مرکزی حکومت کے خلاف کارروائیوں پر بھی اکساتی رہی ہے۔

سعودی حکمران یمن کی معاشی قوت سے بھی بہت خوف زدہ ہیں۔ متحدہ یمن اگر جمہوریت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس کے لئے ترقی کے زبردست امکانات موجود ہیں۔ درجنوں بیرونی تیل کمپنیاں' جن کا اندازہ ہے کہ یہاں سعودی عرب کی مقدار میں تیل موجود ہے' یمن میں تیل کی تلاش کے لئے کام کرنا چاہتی ہیں۔ یمن' جس کی سعودی عرب کی آٹھ' دس ملین آبادی کے مقابلے میں تیرہ ملین آبادی ہے اور اس وقت نسبتاً ایک غریب ملک ہے' تیل ملنے پر اس خطے میں سعودی بالادستی کو پس پشت ڈال سکتا ہے۔ سعودیوں کا کہنا ہے کہ جہاں تیل ملنے کے امکانات ہیں وہ ایک متنازعہ علاقہ ہے۔ حالانکہ یمن اسے اپنا علاقہ تصور کرتا ہے۔ 1992ء میں سعودی حکومت نے بین الاقوامی تیل کمپنیوں کو خبردار کیا تھا کہ سعودی عرب اور یمن کی مشترکہ سرحد کے علاقے میں تیل کی تلاش سعودی حاکمیت کے خلاف مجرمانہ حرکت تصور کی جائیگی۔ جس پر اکثر کمپنیوں نے وہاں اپنا کام بند کر دیا تھا۔ البتہ ہنٹ (HUNT) نے نرمی کے ساتھ اس وارننگ کو مسترد کر دیا اور کام بند نہیں کیا چنانچہ

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

بین الاقوامی مسلم خلافت کانفرنس ایک تاریخ ساز واقعہ ہے

ڈاکٹر ابصار احمد

؎ کہ لندن میں بھی ہم نے تو خدا کی شان ہی دیکھی'

عقائد کے علاوہ "قضایا معاصریا" کی بھی حزب التحریر میں خاص اہمیت ہے

ہر وہ باشعور مسلمان جسے دین و مذہب سے واقعی و حقیقی دلچسپی ہے' جانتا ہے کہ اسلام صرف ذاتی اخلاقی بالیدگی اور انفرادی نیکی کا مذہب ہی نہیں بلکہ وہ ایک جامع نظریہ یعنی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں پر حاوی ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور مذہب سے زیادہ دین یا بالفاظ دیگر ایک ہمہ گیر آئیڈیالوجی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس اعتبار سے اسلامی ریاست یا خلافتِ اسلامیہ کا قیام' نفاذِ دین اور اقامتِ دین کا لازمی نقطۂ عروج قرار پاتا ہے۔ خلافت وہ اسلامی حکومتی نظام ہے جس میں حاکمیت اعلیٰ صرف خالق و مالک کائنات کے لئے مختص مانی جاتی ہے جس کی شریعت کی بالادستی قائم کی جاتی ہے' مسلمان اجتماعی طور پر اللہ کے خلفاء کی حیثیت سے قرآن و سنت کے قوانین کو زمین پر نافذ کرتے ہیں اور مباحات کے دائرے میں باہمی مشورے سے قانون سازی کرتے ہیں۔ اس ریاستی اور قانونی نظام کی بنیاد خود رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ ہجرت کے بعد رکھ دی تھی جو بڑھتے بڑھتے چند دہائیوں کے اندر اس وقت کی معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے پر قائم ہو چکا تھا۔ تاریخ کے صفحات ان حقائق کی شہادت سے بھرے پڑے ہیں۔ سماجی انصاف' قانون کی بالادستی' کفالتِ عامہ اور مساوات و حریت کی جو درخشاں مثالیں خلافت اسلامیہ کے اعلیٰ ترین دور یعنی خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوہ میں قائم کی گئیں' ان کو دیکھنے کے لئے اب تک نوع انسانی کی آنکھیں ترستی ہیں۔

موجودہ صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی میں مسلم ممالک نے نہ صرف استعماری قوتوں سے آزادی کے لئے جدوجہد کی' بلکہ اسلام کے احیاء کی زور دار تحریکیں بھی مختلف عنوانات سے شروع ہوئیں اور اسلام کو ایک مکمل نظام حیات کے طور پر نافذ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ان تحریکوں میں عالم عرب کی الاخوان المسلمون اور برصغیر پاک و ہند کی جماعت اسلامی سرفہرست ہیں۔ تقریباً نصف صدی کی آزاد مسلم ممالک میں کی گئی احیائی سرگرمیوں کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ اسلامی نظام حیات یا نظام خلافت کہیں بھی قائم نہیں ہو سکا ہے اور آج تقریباً سبھی مسلمان ممالک مسلم قومی ریاستوں (Muslim Nation States) کی حیثیت میں موجود ہیں اور ایک اعتبار سے وہ ایک نئے نو آبادیاتی دور (Neo-colonialism) میں ہیں کیونکہ بیشتر مسلم ممالک کا تعلیم یافتہ اشرافیہ اور حکمران طبقات مغرب کی علمی' کلچرل اور اقتصادی غلامی کا شکار ہیں جن کی سوچ' طرز حیات اور اخلاق و اطوار کے جملہ پہلو مغربی سیکولرازم کے آئینہ دار بلکہ بھونڈی نقالی ہیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مذکورہ بالا اسلامی احیائی تحریکوں سے تعلق رکھنے والے یا ان کے متاثرین نہ صرف مسلم ممالک میں بلکہ یورپ اور امریکہ میں بھی بڑے بڑے اشاعتی اور ریسرچ ادارے قائم کرکے نظریاتی سطح پر اسلامی تصورات کو اجاگر تو کر رہے ہیں لیکن کسی بھی تحریک' آرگنائزیشن یا جماعت کی جانب سے کسی بھی خطۂ ارضی پر اسلام کو من حیث الکل ایک سماجی و اقتصادی نظام کی صورت میں قائم کرنے کی عملی کوشش نہیں ہو رہی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان اداروں کے ذمہ دار اور پالیسی ساز حضرات نے اب خاصا ہی معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان میں سے بیشتر نام نہاد مسلمان ممالک کی سیکولر حکومتوں یا آمر حکمرانوں کے ساتھ در پردہ تعاون کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ نیتوں کا حال تو صرف عالم الغیب ہی جانتا ہے لیکن گفتگو اور بحث و تمحیص میں ان حضرات کا جو نقطۂ نظر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات قیام خلافت یا نفاذ اسلامی کی بجائے اسلامی ثقافت کے نفوذ کے زیادہ قائل ہیں اور "نفاذ" کی بجائے "نفوذ" کو اصل اہمیت دیتے ہیں۔ اگست کو منعقد ہونے والی بین الاقوامی اسلامی خلافت کانفرنس کے چند دن بعد لندن میں اس نقطۂ نظر کے حامل ایک اہم دانشور صحافی سے گفتگو کے دوران سنے گئے مندرجہ ذیل جملے اس فکر کے عکاس ہیں۔

"Muslims are not an angry brigade."

"Muslims should not put up an angry profile."

"Islam should not be made inaccessible."

"A Muslim is a Muslim: not an extra Muslim."

ان صاحب کا خیال یہ تھا کہ برطانوی ذرائع ابلاغ حزب التحریر کی طرح کی تحریکوں اور انجمنوں کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ضرورت سے زیادہ خبروں میں نمایاں کرتا ہے تاکہ وہ خود ہی "opting out" کا شکار ہو کر گوشہ گمنامی میں دھکیل دی جائیں اور غیر موثر بنا دی جائیں۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت اسلامی اور اسلامی ریاست کی بات کرکے ہم بحیثیت مسلمان اپنے آپ کو یورپی معاشرے سے alienate یعنی الگ تھلگ کر لیتے ہیں اور اس طرح اسلام غیر مسلموں کے لئے inaccessible یعنی ناقابل رسائی بنا دیا جاتا ہے۔ تبادلہ خیالات کے دوران ہمارے اس محترم صحافی دوست نے یہ سوال بھی بزبان انگریزی کیا جو میرے لئے خاصا چونکا دینے والا تھا کہ "Is Islam radical?" اگرچہ ساخت کے اعتبار سے تو یہ استفہامیہ ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس سوال کے پیچھے دراصل ایک انشائیہ جملہ چھپا ہوا ہے جو ان کے فکر میں زیادہ صائب ہے یعنی یہ کہ اسلام کسی بھی اعتبار سے "racidcal" نہیں ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

راقم الحروف ۲۶/ جولائی کی صبح کو نیویارک سے لندن پہنچا تھا تاکہ عالمی خلافت کانفرنس کے منتظمین اور بالخصوص محمد عمر بکری سے ملاقات کرکے کانفرنس کے بارے میں معلومات بھی حاصل کی جائیں اور یہ بھی دیکھا جائے کہ برطانوی پریس اور عام لوگ اس عالمی

کانفرنس کے بارے میں کن خیالات اور ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ برطانیہ کے طول و عرض میں کانفرنس کے ٹکٹ فروخت کئے گئے ہیں اور برطانوی مسلمانوں میں اس کانفرنس کے سلسلے میں بڑی گرم جوشی پائی جاتی ہے۔ لندن میں میرے میزبان جناب ظہور الحسن صاحب حزب التحریر کی مقامی قیادت کے بارے میں بہت ہی اچھی رائے رکھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ تقریباً سب ہی نہایت ناساعد حالات میں انتہائی ایثار و قربانی اور خلوص و اخلاص کے ساتھ دنیا کے مسلمانوں میں دینی بیداری پیدا کر کے خلافت کے تحت عالمی اسلامی سیاسی نظام کے لئے کوشاں ہیں۔ پاکستان میں وسط جون میں اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر حیرت ہوئی تھی کہ لندن کے اہم چوراہوں اور بس سٹاپوں پر راتوں رات ایک تنظیم کے کارکنوں نے خلافت اسلامی کے بارے میں سٹکر اس سرعت اور راز داری سے لگائے ہیں کہ لندن پولیس بھی ششدر رہ گئی اور اسے کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ لندن آنے کے بعد میں اس Phenomenan کو بھی سمجھنا چاہتا تھا اور خواہش تھی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ حزب التحریر نے چند برسوں میں اتنے کارکن اور وابستگان کیسے فراہم کر لئے کہ جنہوں نے خلافت کے نعرے کو اتنا عام کر دیا ہے کہ اعدائے اسلام چیخ اٹھے ہیں۔

چنانچہ لندن میں کئی پرانے اخبارات دیکھنے کا موقع ملا جن میں عالمی خلافت کانفرنس کو نسل پرست اور تخریب کار مسلمانوں کی ریلی قرار دیا گیا تھا جبکہ کئی ممبران پارلیمنٹ یہودیوں کے بورڈ آف ڈپٹیز اور انگلستان کی طلباء یونین کے یہودی نواز عناصر نے ہوم سیکرٹری مائیکل ہووارڈ اور اٹارنی جنرل سر نکو لاس لائل سے کانفرنس کے انعقاد کو روکنے کا مطالبہ کیا۔ یہی نہیں بلکہ کانفرنس منعقد کرنے والی مسلم یونٹی آرگنائزیشن اور حزب التحریر کے پراپیگنڈے پر پابندی لگانے کو بھی وقت کی ضرورت قرار دیا گیا۔ جولائی کے آغاز سے لے کر کانفرنس والے دن تک اخبارات، ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے حزب التحریر کی اس کوشش کے بارے میں مسلسل زہر افشانی ہوتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آخری چند دنوں میں کیفیت خاصی غیر یقینی ہو گئی تھی اور گمان یہ ہونے لگا کہ شاید حکومت کو پولیس اور امن عامہ کے ذمہ دار اداروں کے کہنے پر کانفرنس پر پابندی لگانی پڑ جائے۔ لیکن بہرحال ایسا نہیں ہوا اور عالمی خلافت کانفرنس نہایت نظم و ضبط کے ساتھ کسی ناخوشگوار واقعہ کے بغیر منعقد

Khilafah moot opens

Overthrow of secular regimes demanded

From Our Special Correspondent

LONDON, Aug 7: The International Muslim Khilafah Conference which opened on Sunday at the vast concourse in Wembley Arena, in London, in the full glare of international media issued a six-point declaration calling upon Muslims throughout the Islamic world to unite and prepare themselves for action to bring about "change" for the establishment of 'a truly Islamic order'.

They called for the 'overthrow' of Muslim regimes whose aims are secular. They also reinforced that they were no fanatics or terrorists and were not against other religions but were trying for the salvation of their own Muslim community.

The conference, before it opened, created a lot of controversy and there were calls, mainly from Jewish groups, to ban it because of the alleged anti-semitic views of its organisers.

But none of the speakers drawn from Pakistan, Egypt, Bosnia, Jordan, Saudi Arabia or Britain showed any animosity, at least in their public utterances, towards either Jews or Christians.

There was a huge security cordon thrown round the conference hall as hundreds waited to get in. The attendance was mainly of young people who had come to listen to speeches which, the organisers said, were meant to address the malaise that Muslim world finds itself in. Kashmir, Bosnia, Afghanistan and Algeria were among the issues mentioned, and the sufferings of the Muslims of these regions were specifically brought out to show that they were calling for determined action to improve their situations.

Mr Mohammad Omar al-Bakri and Farid Kassim, the two leaders of the Hizbut Tahrir, an organisation banned in a number of Muslim countries, facing a press conference said that the conference had been convened to create consciousness among Muslims for them to understand their problems and bring about a change in their own societies.

Dr Israr Ahmed, leader of the Tanzeem-e-Islami, Pakistan, accused the Muslim governments of following policies that suit the West and its agencies.

He said that there is an indirect colonial system still in operation in the name of the New World Order, in which a 'number of Muslim regimes were acting as viceregents for the United States'.

The vast resources of the Muslim World, he added, were being exploited by foreigners instead of being used for the benefit of the Muslim Ummah.

He called for a revival of the Islamic faith and a resurgence of the fundamentals of Islam for the greater good of the humanity, including Jews and Christians as well as other faiths.

Other speakers showed their anger and frustration that many of the Muslim countries were being ruled by governments 'who bring humiliation to the Ummah.' They saw signs of a Muslim resurgence throughout the world of which the Khilafah Conference was one visible sign for the fact that it was being held in London, in the heart of the Western world.

They blamed world ineptitude which allows problems like Kashmir and Bosnia to linger on.

Dr Mohammed Malkawi, from Jordan, said that Muslims will no longer accept being made hostages but have their own agenda which meant motivating Muslims to establish their own political systems, discording socialism, nationalism and Western-style democracy.

The Western powers, he said, were looking for stability that suits them and allows the exploitation of the vast resources of the Muslim World.

He pointed out the idea of Khilafah may not be very clear at the moment but there is no doubt that there has been a resurgence of Islam everywhere through which 'a movement for progress and dignity would grow and become unstopable'.

Others who followed him on the plateform, included Abdullah Ramadan from Turkey and Abdullah Kapich from Bosnia. They, amidst shouts of Allah-o-Akbar, stated that the divisions, occupations, poverty and humiliation of the Muslim world are not accceptable to her mass of the Muslim peoples who were looking for unified action to improve their lot.

لندن کے ایک اخبار کا تبصرہ جس میں ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کا خصوصی ذکر ہے

عالمی خلافت کانفرنس سے پہلے منعقد ہونے والی تعارفی پریس کانفرنس میں (دائیں سے بائیں) کینیڈا کے نومسلم جناب جمال ہارورڈ' سجاد خان' حزب التحریر برطانیہ کے رہنما عمر محمد بقری' فرید قاسم' تحریکِ خلافت پاکستان کے ڈاکٹر ابصار احمد اور محمد امصاری اخبار نویسوں سے مجوزہ کانفرنس کے مقاصد کے موضوع پر خطاب کر رہے ہیں

ہوئی حالانکہ کانفرنس سے چند روز قبل اسرائیل کے سفارت خانے کے قرب و جوار میں اور ایک دوسری جگہ بم کے دھماکوں کی ذمہ داری حزب التحریر پر ڈال کر مخالفانہ شور و غوغا میں اچانک بہت اضافہ کر دیا گیا تھا۔

حزب التحریر کا radical دینی فکر اور خلافت کے قیام کا نعرہ انگلستان میں گزشتہ تین چار سال کے دوران ہی تیزی سے پھیلا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس کا سہرا جناب محمد عمر بقری اور ان کے چند انتہائی فعال اور مخلص ساتھیوں کے سر ہے کہ جنہوں نے چند برسوں کی محنت شاقہ اور دعوتی سرگرمیوں کے بل پر برطانیہ کی بہت سی یونیورسٹیوں' کالجوں اور فنی اداروں میں مختلف اسلامی سوسائٹیوں کے تحت مسلمان ممالک سے آئے ہوئے طلباء میں اسلامی شعور بیدار کیا اور دین کی حقیقت ایک کلی نظام حیات کی حیثیت سے واضح کی ہے۔ چنانچہ اب بہت سے طلباء ڈانس پارٹیوں یا ڈسکو کی بجائے قرآن و حدیث اور اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں' نماز اور دیگر اسلامی شعائر سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے سیاسی نظام یعنی خلافت کو پورے عالم اسلام میں قائم کرنے کی امنگ بھی سینوں میں رکھتے ہیں۔ ان کا خیال بجا طور پر یہ ہے کہ خلافت کے قیام کے لئے پہلا قدم علمی و ذہنی انقلاب ہے جس کو وہ نوجوان طلباء میں پیدا کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے لیکچروں اور مذاکروں کے متعدد پوسٹر خود میں نے لندن کی کئی مساجد اور سڑکوں پر بس سٹاپوں کے قریب لیمپ پوسٹ پر لگے دیکھے۔ ان میں سے چند میں خود میں نے بھی شرکت کی اور طلباء کی تعداد اور ذوق و شوق کا چشم سر مشاہدہ کیا --- یہ لیکچر مختلف آبادیوں کے یوتھ سنٹروں' کیمونٹی سنٹروں اور کالجوں میں ہوتے رہے جن میں مسلمانوں کی موجودہ سیاسی ابتری' اسلام میں جہاد کے تصور اور متعلقہ اصلاحات کی وضاحت' خلافت کی اہمیت اور اس کے قیام کی ضرورت اور دوسرے متعلقہ موضوعات زیر بحث آتے تھے۔ میں نے ان میں سے دو تین پروگراموں بالخصوص محمد عمر بقری کے ایک پروگرام کو بہت دلچسپ پایا۔ طلباء اور طالبات کی بڑی تعداد (لگ بھگ سوا سو) نے شرکت کی اور بقری صاحب کے پرجوش اسلامی خیالات کو سراہا۔ یہ پروگرام مختلف ناموں کے تحت بھی ہوتے ہوئے مثلاً "The Young Muslims UK" کی جانب سے ایک پروگرام "The Road To Khilapah" کے موضوع پر ہوا۔

میرے میزبان ظہور الحسن صاحب کا گھر نارتھ لندن کے علاقے Enfield میں واقع تھا۔ معلوم ہوا کہ محمد عمر بقری صاحب قریب ہی یعنی ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر رہتے ہیں چنانچہ لندن پہنچنے کے اگلے ہی روز یا ۲۸ / جولائی کی علی الصبح نماز فجر کے بعد حسن صاحب مجھے بقری صاحب کے ہاں لے گئے۔ حسن صاحب نے پہلے فون پر اطلاع دے دی تھی اس لئے بقری صاحب ہمارے منتظر تھے۔ نہایت تپاک اور گرمجوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد ہمیں بیٹھک میں لے گئے جہاں قالین پر فرشی نشست کا اہتمام تھا۔ کمرے میں کتابوں کی موجودگی سے معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی عالم دین کے گھر میں ہیں۔ ندائے خلافت کے قارئین گزشتہ شمارے میں بڑھ چکے ہیں کہ حزب التحریر کو فلسطینی عالم دین شیخ تقی الدین نبھانی مرحوم نے ۱۹۵۳ء میں شروع کیا تھا' اور اب اس کے قائد کسی عرب ملک میں نامعلوم مقام پر قیام پذیر ہیں۔ انگلستان میں محمد عمر بقری اور ان کے معاونین اور امریکہ میں تمام فعال حضرات اپنے آپ کو حزب التحریر کے ممبر کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بعض مخالفین عالمی خلافت کانفرنس پر محض اس بنا پر بھی تنقید کرتے پائے گئے کہ حزب التحریر "Clandestiv" اور "Elusive" تحریک ہے جس کے لیڈر اور زعماء منظر عام پر نہیں آتے اور نامعلوم وہ اس تحریک کو کس رخ پر ڈال دیں؟ چنانچہ ان کے خیال میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے علاوہ اس کانفرنس کے مقررین میں سے کوئی Legitimate شخصیت نہ تھی۔ بقری صاحب نے لندن سے شائع ہونے والے "Impact" میں چھپنے والے میرے خط بعنوان "Which Way to Khilafah?" کو سراہا' برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی خیریت دریافت کی اور ان کے لندن پہنچنے کا پروگرام پوچھا۔ میرے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ ہمارے تقریباً چھ سو رضا کار اور ممبر کانفرنس کے دوران مہمان مقررین کی حفاظت پر مامور ہوں گے۔

انگلستان کے اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے کانفرنس کے خلاف سخت زہر اگلا جا رہا تھا اور اس کے منتظمین کو نسل پرست' تخریب کار اور بنیاد پرست گردانا جا رہا تھا۔ چنانچہ "حزب التحریر" کے لوگوں نے ان اعتراضات کے جواب دینے کے لئے متعدد پریس کانفرنس کیں۔ ان میں سے ایک پریس کانفرنس میں جو " ویمبلے کانفرنس ہال" میں ہوئی' مجھے بھی تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کے نمائندے کی حیثیت شرکت کی دعوت دی گئی۔ ان پریس کانفرنسوں میں مقررین نے اسلام کی پرامن اور متلاشی امن تعلیمات' توحید اور غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کے مضامین کو زیادہ اجاگر کیا اور کہا کہ ہم اس کانفرنس سے صرف ملت اسلامیہ میں دینی و سیاسی بیداری پیدا کرنا چاہتے ہیں اور خلافت کا قیام بھی ابتدا میں اسلامی ممالک ہی میں ہوگا۔ ہمیں اس ملک کے عام شہری کی حیثیت میں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملنا چاہئے اور اس پر پابندی نہیں لگنی چاہئے۔

۷ / اگست کو کانفرنس کا آغاز دوپہر ۱۲ بجے رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ہم اپنے احباب اور ان کی خواتین کے ہمراہ تین کاروں میں روانہ ہو کر ویمبلے ایرینا پہنچے۔ ایرینا کے باہر چاروں طرف سینکڑوں کیا ہزاروں افراد

عالم اسلام کی نئی احیائی تحریک "حزب التحریر"

کے زیر اہتمام

لندن میں منعقد ہونے والی عالمی احیاء خلافت کانفرنس میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کے خطاب کا ویڈیو کیسٹ تیار کر لیا گیا ہے۔

کانفرنس میں شریک "حزب التحریر" کے سرکردہ افراد کی ولولہ انگیز تقاریر کو بھی اس کیسٹ میں شامل کیا گیا ہے۔

ملنے کا پتہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' K-36' ماڈل ٹاؤن' لاہور

نظر آئے جو غالباً کانفرنس ہال میں داخلے کے لئے ٹکٹ کے حصول کی تگ و دو میں مصروف تھے۔ چونکہ دن اتوار کا تھا اس لئے اس علاقے کے انگریز باسی تو "ویک اینڈ" مناتے ہوئے گھروں میں بند تھے اور ویمبلے کے تمام اطراف سے مختلف رنگوں اور نسلوں کے مسلمان حضرات و خواتین جوق در جوق ویمبلے ایرینا کی طرف بڑھتے نظر آ رہے تھے۔ چونکہ کار پارکنگ کا انتظام سیکورٹی کی وجوہات سے کچھ فاصلے پر کیا گیا تھا' اس لئے بہت سے لوگ اپنی کاریں پارک کر کے پیدل ایرینا کی جانب آ رہے تھے۔ انہیں اتنی تعداد میں دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ گویا کسی تہوار یا عید کا دن ہے اور لوگ عیدگاہ کی جانب رواں دواں ہیں۔

ویمبلے کمپلیکس چونکہ ایک پرائیویٹ ادارہ ہے اس لئے سیکورٹی کے لئے اس کا اپنا سٹاف بھی ہے جو خاص وردی میں ملبوس تھا۔ ان کے ساتھ ہی حزب التحریر کے بہت سے نوجوان رضاکار بھی انتہائی مستعدی سے مختلف انتظامات کرتے نظر آئے۔ ان میں سے اکثر کے پاس سیلولر ٹیلی فون یا "واکی ٹاکی" کے سیٹ تھے جن پر وہ ہال کے اندر یا مختلف اطراف میں تعین رضاکاروں سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ اگرچہ ہمارے میزبان حسن صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور ان کے ساتھ ارکان وفد کے نام اور کوائف ایک دن قبل مرکزی انتظامیہ کے لوگوں کو فیکس کر دیئے تھے لیکن کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہم سے اکثر ساتھیوں کو VIP Guest Ship دکھانے کے باوجود کافی دیر (تقریباً ایک گھنٹہ) انتظار کرنا پڑا اور بعد ازاں ہال میں جانے کی اجازت ملی۔ البتہ امیر محترم کو ایک میزبان اور خواتین سمیت فوراً ہی سٹیج کے عقبی حصے سے ایرینا میں پہنچا دیا گیا۔

اس کانفرنس کو آسلامی دنیا سے باہر منعقد ہونے والی سب سے بڑی کانفرنس قرار دیا گیا تھا اور یہ جملہ اس ٹکٹ پر بھی طبع شدہ ہے جس کا Counterfoil میرے پاس محفوظ ہے۔ ایرینا چونکہ بہت وسیع ہے اس لئے اس میں داخلے کے دروازے اور نشستوں کے بلاک متعین ہیں۔ میں چند احباب کے ہمراہ جن میں کراچی کے رفیق محترم جناب محمود میاں صدیقی قابل ذکر ہیں' Blue Door30 سے ایرینا میں داخل ہو کر اجتماع گاہ میں پہنچا۔ ایرینا میں ہال کے باہر چہار اطراف میں لابیاں ہیں جن میں کتب' رسائل اور اشیائے خورد و نوش کے سٹال تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مردوں اور خواتین کے لئے "واش روم" بھی تھے۔ ان لابیوں میں دن بھر شرکاء کا اتنا ہجوم رہا کہ چلنا دوبھر تھا اور خورد و نوش کی چیزیں بھی بار بار ختم ہو جاتی رہیں اور دوبارہ سپلائی آتی رہی۔ ایرینا کے باہر بغیر ٹکٹ والے لوگ بھی ٹکٹ کے حصول کی کوشش کر رہے تھے لیکن ایرینا کی انتظامیہ ایک خاص تعداد سے زیادہ ٹکٹ جاری نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے بہت سے لوگ داخلے میں ناکام باہر ادھر ادھر گھومتے رہے جن کو مصروف رکھنے کے لئے بہت سے اسلامی دعوتی اداروں نے اپنے دو ورقے اور رسائل تقسیم کرنے کا کام کیا اور بہت سے افراد یو کے اسلامک مشن اور دوسرے متعدد اداروں کے بھی مختلف اشتہارات و جرائد تقسیم کرتے رہے۔ کچھ لوگ کشمیر اور بوسینا میں آفت زدہ مسلمانوں کے لئے چندے کی اپیل بھی کرتے دیکھے گئے۔

لندن پولیس کی گارڈ مسلسل نگرانی کر رہی تھی۔ وائرلیس پر ہدایات دے کر کسی بھی پوائنٹ پر زیادہ بڑے ہجوم کو جمع ہونے سے روکا گیا۔ جو لوگ کانفرنس کے لئے پہلے سے ٹکٹ حاصل کر چکے تھے (جس کی قیمت تین پاؤنڈ تھی) وہ باآسانی سیدھے ایرینا میں داخل ہو رہے تھے۔ ایرینا کے اندر سماعت گاہ کے باہر لابی میں حزب التحریر کے کتابچے اور لٹریچر پندرہ بیس سٹالوں پر فروخت ہو رہے تھے جن پر خریداروں سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنے والے طلبا اور حجاب (Head Covering) سے مزین طالبات متعین تھیں۔ چونکہ ایرینا بارہ تیرہ ہزار نشستوں پر مشتمل ہے اس لئے اتنی بڑی جگہ پر مردوں اور خواتین کی علیحدہ علیحدہ نشستوں کا انتظام ناممکن تھا' پھر بھی سٹیج کے عین نیچے سامنے والا بلاک خواتین اور بچوں کے لئے مختص تھا۔ اتنے وسیع سماعت گاہ میں بچوں اور بڑوں کا آپس میں بچھڑ جانا بعید نہیں۔ چنانچہ مائیک پر سٹیج کی طرف سے اس قسم کے اعلانات بار بار کئے گئے۔

ایک نوجوان قاری کی تلاوت قرآن پاک سے کانفرنس کا آغاز ہوا جو غالباً یمنی تھے اور آخر تک سٹیج پر تشریف فرما رہے۔ کانفرنس والی رات یعنی ٦ / اگست کی شام برادرم محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لی پارک ٹیکنیکل کالج میں جا کر کانفرنس کے منتظمین سے ملے۔ یہاں پر بقری صاحب اور تمام دوسرے منتظمین کانفرنس کے لئے سیکرٹریٹ قائم کر کے انتظامات اور تقاریر کے پروگرام کو آخری شکل دے رہے تھے۔ اس خاصے بڑے ٹیکنیکل کالج کے ایک حصے کو کرائے پر لے کر بقری صاحب نے اپنا کلیۃ الشریعہ قائم کیا ہوا ہے جہاں وہ مناسب فیس کے عوض مسلمان نوجوانوں کو قرآن و حدیث' فقہ اور عربی زبان کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کام میں انہیں بعض دوسرے اچھے اساتذہ کا تعاون بھی حاصل ہے۔ چونکہ پاکستان سے دوسرے مہمان مقرر ویزا نہ ملنے کی وجہ سے لندن نہ پہنچ پائے تھے اس لئے ہماری درخواست پر ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے لئے وقت کا اضافہ کر کے ایک گھنٹہ کر دیا گیا۔ اس وقت طے شدہ پروگرام کے مطابق تلاوت کلام پاک کے فوری بعد اہم ترین تقریر (Key note Address) بقری صاحب کی رکھی گئی تھی جس کا عنوان بھی The Awakening of the Giant" --- بہت سنسنی خیز تھا لیکن

بوجوہ بعد میں پروگرام تبدیل کر دیا گیا اور انہوں نے سب سے آخر میں خطاب کیا۔

قارئین کرام گزشتہ شمارے میں کانفرنس میں کی گئی تقاریر کی مفصل اخباری رپورٹ پڑھ چکے ہیں' ان سب کا یہاں دوبارہ تذکرہ تحصیل حاصل ہو گا۔ داعی تحریکِ خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی تقریر بالخصوص بہت توجہ سے سنی گئی اور میرا احساس ہے کہ انہوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول اور عیسائیوں کی Lord's Prayer کا حوالہ دیا تو ہال میں ڈیوٹی پر متعین انگریز عملے کے خواتین و حضرات بھی ان کی تقریر میں دلچسپی لینے لگے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ اسلام اور دوسرے ابراہیمی مذاہب کے درمیان مشترک عقائد میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ عام لوگوں کا تاثر یہ تھا کہ ہندوپاک سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں سامعین خاص طور پر ڈاکٹر صاحب کی تقریر کو سننے کا اشتیاق رکھتے تھے۔ لطف یہ کہ ملکی اور غیر ملکی ٹیلی ویژن کے کیمرہ مین بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے دوران بڑی تعداد میں ریکارڈنگ کرتے دیکھے گئے۔ بعد میں خبروں سے معلوم ہوا کہ ٹیلی ویژن نشریات میں انہی کی تقریر کو زیادہ وقت اور نمایاں طور پر دکھایا گیا۔ مختلف تقاریر کے دوران مائیک سے "تکبیر" اور سامعین کی جانب سے "اللہ اکبر" کے نعرے روح کو گرما دینے والے تھے۔ خاص طور پر کانفرنس کا آخری مرحلہ سات نکاتی ڈیکلریشن انتہائی پرجوش انداز میں اور تکبیر کے نعروں کی گھن گرج میں پیش کیا گیا۔ پورے ہال نے اس اعلامیہ کی تائید کھڑے ہو کر اور ہاتھ بلند کر کے کی۔ اگرچہ بدقسمتی سے ویڈیو ریکارڈنگ میں یہ روح پرور کیفیت کسی درجے میں بھی reflect نہیں ہو سکی ہے۔

مجھے ذاتی طور پر ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے علاوہ جناب جمال ہارووڈ کی تقریر پر مغز معلوم ہوئی۔ جمال ہارووڈ کنیڈین ہیں اور چند برس قبل ہی مشرف باسلام ہو کر حزب التحریر کے اہم ترین کارکنوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مسلمان امت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے بالعموم اور مغربی ممالک میں اسلام کے احیائے کے لئے بالخصوص تین باتوں کی اہمیت اجاگر کی۔ اولاً تعلیم اور اعلیٰ علمی قابلیت کو بڑھانے کی ضرورت پر زور دیا۔ ان کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ علمی اور ذہنی انقلاب کے بغیر اسلامی نظام قائم نہیں کیا جا سکتا۔ ثانیاً انہوں نے مغرب یعنی غیر اسلامی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں پر واضح کیا کہ Isolation یا Integration کی بجائے ہمیں interaction کے رویئے کو اپنانا چاہئے۔ یعنی باہمی تعامل کے ذریعے ہی مسلمان کافرانہ ماحول میں توحید اور دوسری اسلامی تعلیمات کا موثر پرچار کر سکتے ہیں۔ ثالثاً جمال ہارووڈ نے مسلمانوں کو اللہ کی یعنی اللہ کے دین کی نصرت پر کمر کس لینے کی دعوت دی اور پہلے مسلمان ممالک میں اور پھر پوری دنیا میں خلافت کا عادلانہ نظام قائم کرنے کا دینی فریضہ یاد دلایا۔

حزب التحریر کے فکر میں "عقائد" کے علاوہ میں نے "Vital Issues" (عربی میں قضایا معاصریہ) کو بھی خاص اہمیت کا موضوع پایا۔ امریکہ سے آئے ہوئے جناب حسینی نے اسی موضوع پر خطاب کیا۔ جہاں تک میں سمجھ پایا' اس سے ان کی مراد مسلمانوں کی موجودہ سیاسی ابتری اور ان کے احوال و ظروف کا احساس ہے اور ظاہر ہے کہ ان حالات سے واقفیت حاصل کئے بغیر کوئی احیائی تحریک یا حکمت عملی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ ان کے اپنے الفاظ اتنے اہم اور واضح ہیں کہ انہیں انگریزی ہی میں پیش کر دینا مناسب ہو گا:

"It is time for the Muslim Ummah to wake up from its sleep and work with all its might to revive Islam, and bring back the Deen of Allah (SAW). For surely without a sence of direction and priority for the vital issues (Al-Qadaya Al-Ma'aseria) we are lost."

جناب حسینی نے کہا اس وقت کسی بھی اسلامی ملک میں پوری شریعت اسلامیہ نافذ نہیں ہے اور اکثر مسلمان حکمران اغیار کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں نہ شورائیت کا نظام قائم ہے اور نہ ہی دین کی سربلندی اور عالمی خلافت کے لئے پیش رفت ہو رہی ہے چنانچہ ہمیں پوری سرفروشی اور جذبہ و خلوص کے ساتھ ان مقاصد کے لئے جہاد کرنا چاہئے۔

مسلم انٹرنیشنل خلافت کانفرنس کے لئے حزب التحریر اور اس کے حلقہ اثر سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں مرد و خواتین اور طلباء و طالبات نے جس طرح شب و روز کئی ماہ مسلسل محنت کی ہے' وہ دنیا میں ہر جگہ دین کے احیاء کے لئے کام کرنے والوں کے لئے قابلِ رشک ہی نہیں' ایک عمدہ مثال بھی ہے۔ ہمیں ان کے لئے دعاگو رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خلوص و اخلاص کے ساتھ اپنے دین متین کی خدمت کی توفیق دیئے رکھیں۔ کانفرنس کے چند روز بعد فنز بری پارک مسجد میں حزب التحریر کے چند اہم اراکین سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی گفتگو ہوئی۔ خیال یہ تھا کہ باہمی تبادلہ خیال سے حزب التحریر کے سامنے انقلاب اسلامی اور احیائے خلافت کا منہج واضح کیا جائے لیکن غالباً کچھ تھکان اور کچھ مصروفیت کی بنا پر صرف دو اہم ارکان ڈاکٹر عبدالباسط اور جمال ہارووڈ ہی اس میٹنگ میں آ سکے۔ جمال ہارووڈ کانفرنس کی کامیابی پر نہ صرف خوش تھے بلکہ اسے ایک اہم Landmark قرار دے رہے تھے۔ ان کی گفتگو کا آخری جملہ یہ تھا: "Alhamdulillah, Our Message is getting across."

بقیہ : شذرہ

جوان شہریوں کو بھی عسکری تربیت دینے اور مسلح کرنے کی ضرورت تھی' ہمیں اسلحہ سمیٹ کر مال خانوں میں بند کرنے اور زنگ کھانے کے لئے چھوڑ دینے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ لیکن الزام دیں تو کسے' یہ اپنی ہی پے در پے غلطیوں اور مجرمانہ چشم پوشی کا شاخسانہ ہے! OO

بقیہ : واقعات عالم

سعودی حکومت نے شمالی یمن کے علیحدگی پسندوں کے ذریعے اس کمپنی کے 'مریب (Marib) میں واقع تیل اور گیس کے ذخائر کو بم سے اڑوا دیا۔

عرب ممالک کے تمام حکمران اس وقت اسلامی اور جمہوری قوتوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کی زد میں ہیں جبکہ یمن نے اپنے ہاں اقلیتوں' عورتوں اور اسلام پسندوں کو سیاسی نمائندگی دے کر دوسرے عرب ممالک کی اس پریشانی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جمہوریت کا علمبردار امریکہ اس نازک موقع پر یمن کی حمایت میں آگے آتا مگر کلنٹن انتظامیہ دور کھڑی تماشہ دیکھتی رہی۔ لگتا ہے کہ خلیج کی جنگ میں عراق کے خلاف قائم ہونے والے امریکی سعودی گٹھ جوڑ کے اثرات تاحال باقی ہیں ورنہ یمن نے ایک عرب قوم میں جمہوریت کی جو مثال قائم کی ہے اسے اگر پروان نہ چڑھایا گیا تو اس خطے میں پائی جانے والی یہ بے اطمینانی بنیاد پرست انقلاب کا راستہ اختیار کرے گی۔ لہٰذا امریکہ کے مفاد میں ہے کہ اپنے اتحادیوں' سعودی عرب' خلیج کے حکمرانوں اور مصر کو یمن کی مثال اپنانے پر مجبور کرے۔ OO

قاہرہ کانفرنس کے خلاف تنظیم اسلامی لاہور کا مظاہرہ

وقائع نگار

یہ بہبودِ آبادی کا نہیں جنسی انارکی کا شیطانی منصوبہ ہے

یکم ستمبر بروز جمعرات کو تنظیم اسلامی پاکستان و تحریک خلافت پاکستان نے اقوام متحدہ کے زیر اہتمام قاہرہ میں منعقد ہونے والی "عالمی بہبود آباد کانفرنس" کے نام سے مغربی دنیا کے "ابلیسی منصوبے" اور پاکستان کی اس کانفرنس میں شرکت کے خلاف ایک بھرپور مظاہرہ کیا۔

مذکورہ مظاہرے میں شرکت کے لئے رفقاء تنظیم اسلامی و معاونین تحریکِ خلافت پاکستان کو ساڑھے چار بجے ناصرباغ پہنچنے کا کہا گیا تھا۔ الحمدللہ نظم کی پوری طرح پابندی کرتے ہوئے رفقاء و معاونین کی کثیر تعداد ساڑھے چار بجے ناصرباغ میں موجود تھی۔ مظاہرے کے آغاز سے قبل تمام رفقاء معاونین نے تنظیم اسلامی پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کی امامت میں ناصرباغ میں ہی نماز عصر ادا کی۔

نماز عصر کے بعد محترم ناظم اعلیٰ نے عمومی ہدایات دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس تعالیٰ نے ہمیں نہی عن المنکر باللسان کا فریضہ ادا کرنے کے لئے جمع ہونے کی توفیق عطا کی ہے۔ اس ضمن میں ہمیں انتہائی سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور اپنی نگاہوں کی حفاظت اور ذکرالٰہی کرتے ہوئے چلنا چاہئے۔ انہوں نے مظاہرے کے روٹ کی تبدیلی سے بھی آگاہ کیا۔ مظاہرہ کا اصل روٹ تو مال روڈ ہی تھا لیکن انتظامیہ کی مداخلت اور دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کی وجہ سے روٹ تبدیل کرنا پڑا۔ اس کے بعد مظاہرہ کے ناظم جناب محمد اشرف وصی صاحب نے مظاہرے سے متعلق ہدایات دیں۔ مظاہرین کی تشکیل اس طرح کی گئی کہ سب سے آگے ایک بینر اس کے بعد لاہور کی ایک یا ایک سے زائد تنظیموں کے رفقاء اس کے پیچھے پھر ایک بینر اس طرح مختلف تنظیموں کے رفقاء ٹی بورڈ اٹھائے ہوئے تھے۔ تمام مظاہرین چار بینروں کے پیچھے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چل رہے تھے۔

اس مظاہرے کی قیادت تنظیم اسلامی و تحریک خلافت کی مرکزی ٹیم نے کی۔ قائدین میں ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالخالق، سیکریٹری تحریک خلافت پاکستان جناب عبدالرزاق، ناظم تربیت تنظیم اسلامی جناب چودھری رحمت اللہ بٹر اور سیکریٹری جنرل تنظیم اسلامی پاکستان جناب چودھری غلام محمد صاحب تھے۔ دوسری صف میں لاہور کی تمام تنظیموں کے امرا تھے۔ سب سے آگے ایک گاڑی پر نصب لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے قاہرہ کانفرنس کے مقاصد سے جناب شیخ نفیس احمد اور مرزا ندیم بیگ صاحب اپنے درد بھرے انداز پردہ اٹھا رہے تھے۔ اسی طرح سب سے پیچھے ایک گاڑی پر جناب نعیم اختر عدنان صاحب اور جناب حافظ محمد اقبال صاحب اعلانات فرما رہے تھے۔ اعلانات کے ذریعے تحریک خلافت پاکستان کا پیغام بھی عام کیا گیا اور لوگوں کو متوجہ کیا گیا کہ تمہارے تمام مسائل کا حل نظام خلافت کے قیام میں مضمر ہے۔ شیخ نفیس صاحب چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ ہم اپنی تسبیح بردار اور دوپٹہ پوش وزیراعظم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ اس کانفرنس میں شرکت کر کے کون سا خیر کمانا چاہتی ہیں۔ کیا بنگلہ دیش کی وزیراعظم خالدہ ضیاء اور ترکی کی وزیراعظم کے کردار کا بھی ہماری وزیراعظم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ نیز موتمر عالم اسلامی، پوپ اور متعدد اسلامی ممالک کی مخالفت کے باوجود ہماری وزیراعظم کی شرکت باعث

تنظیم اسلامی لاہور کے مظاہرے کی تصویر جو انگریزی روزنامے فرنٹیئر پوسٹ لاہور میں شائع ہوئی۔

شرم ہے۔

مظاہرے کے آگے جو بینر تھا اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ "قاہرہ کانفرنس کے اہم نکات' آزادانہ جنسی ملاپ' اسقاط حمل' ہم جنس پرستی کا فروغ اور بچوں میں جنسی عمل کی تعلیم"۔ مظاہرین نے بورڈ اٹھائے ہوئے تھے جن پر امت مسلمہ کے ضمیر کو بیدار کرنے والی عبارات لکھی ہوئی تھیں مثلاً بعض نے بورڈوں پر رقم تھا "قاہرہ کانفرنس زناء کے فروغ کا بین الاقوامی منصوبہ ہے' پوری اسلامی دنیا قاہرہ کانفرنس کی مذمت کرتی ہے' نیو ورلڈ آرڈر کا اگلا ہدف مسلمانوں میں جنسی بے حیائی کے فروغ کا شیطانی منصوبہ' حکومت پاکستان قاہرہ کانفرنس کا مکمل بائیکاٹ کرے" وغیرہ۔

اس مظاہرے کے موقع پر ایک ہینڈ بل بھی چھپوایا گیا تھا جو وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا۔ اس ہینڈ بل کے ذریعے قاہرہ کانفرنس کے واہیات ایجنڈے اور اس شیطانی منصوبے کے مضمرات سے مسلمانان پاکستان کو آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ نیز حکومت پاکستان کے شرمناک کردار اور سیکولرازم پر مبنی پالیسی کو آشکارا کیا گیا۔ ہینڈ بل میں اس کانفرنس کے ایجنڈے کے اہم نکات کو واضح کیا گیا۔

اہم ترین نکتہ جنسی عمل کو شادی کی روایتی حدود سے نکال کر آزادانہ جنسی ملاپ میں حائل تمام اخلاقی و مذہبی پابندیوں کو ختم کرنا ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر کا اگلا قدم یہ ہوگا کہ جو ممالکہ اس منصوبے پر عمل درآمد نہیں کریں گے ان کی ہر نوع کی مالی امداد بند کر دی جائے گی اور ان کے لئے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے ہر قسم کے قرضہ جات کا حصول ناممکن بنا دیا جائے گا اور اس طرح امریکہ اور اس کے حواری ممالک اپنے طفیلی ادارے اقوام متحدہ کے ذریعے اس مکروہ شیطانی منصوبے کو بہت جلد ملت اسلامیہ پر زبردستی نافذ کرنے والے ہیں۔

ہمارا یہ مظاہرہ ناصر باغ سے شروع ہوا اور اورینٹل کالج' انارکلی' نیلا گنبد' میو ہسپتال کے قریب سے گزر کر میکلوڈ روڈ سے ہوتا ہوا لکشمی چوک پہ اختتام پذیر ہوا۔ لکشمی چوک میں امیر تنظیم اسلامی لاہور وسطی جناب مرزا ایوب بیگ صاحب نے خطاب فرمایا۔ مظاہرین کے علاوہ بہت سے دوسرے لوگ بھی ان کے خطاب کے موقع پر جمع ہو گئے اور نہایت توجہ سے سنا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ "حضرات یہ کانفرنس عالم اسلامی کے خلاف ایک بہت

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

عذرِ گناہ

بات اتنی سادہ بھی نہ تھی!

(ادارہ)

گزشتہ شمارے میں ہم نے خاصے نمایاں مقام پر ایک تحریر کی اشاعت پر معذرت کا اظہار کیا تھا جو گزشتہ سے پیوستہ "ندائے خلافت" میں شائع ہوئی اور ہفت روزہ "تکبیر" کراچی کے ادارتی معاون جناب فاروق عادل کی شکایت کے جواب میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس شکوے سے بڑھ کر کڑی گرفت ہم پر خود اپنے اکابرین کی طرف سے ہوئی ہے۔ ہم اپنی اس لغزش پر اللہ تعالیٰ سے بھی درگزر کے خواستگار ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ اس کی جناب سے ہمیں یہ توفیق ہمیشہ میسر رہے گی کہ غلطی ہو جائے تو اسے تسلیم کرنے میں عار نہ ہو۔

کراچی ہی سے ہمارے ایک عزیز دوست نے انہی دونوں ٹیلی فون پر گفتگو کرتے ہوئے برہمی کا اظہار کیا تو ہم نے جواب دیا تھا کہ ہمارا جو آئندہ شمارہ آپ کے پاس پہنچنے والا ہے اس میں ہماری معذرت تو آپ کی نظر سے گزر جائے گی تاہم یہ نہ بھولئے کہ "ندائے خلافت" کے دفتر میں انسان ہی کام کرتے ہیں' فرشتے نہیں جن سے خطا کا صدور ممکن نہیں ہوتا۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ خطاکاروں میں بہترین لوگ وہ ہیں جو توبہ کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے۔ بایں ہمہ اس غلطی کا پس منظر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو اس نوع کا عذر گناہ نہیں جسے بدتر از گناہ قرار دیا جا سکے بلکہ ایک ضروری وضاحت ہے جس کے بعد انصاف پسند لوگوں کے لئے عدل گستری آسان ہو گی۔

پہلے آپ فاروق عادل صاحب کا خط من و عن پڑھ لیجئے جو یہ ہے:

"محترمی و مکرمی اقتدار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ سے تخاطب کرنے کی عاجزانہ جسارت کرنے والا یہ عاجز ہفت روزہ "تکبیر" سے منسلک ہے' جو پہلے "ندا" کا اس لئے قاری رہا کہ وہ اس کے خیال میں ہفت روزہ صحافت میں نئی طرحیں ڈال رہا تھا اور مستقبل میں اس کے لئے بڑے امکانات دکھائی دے رہے تھے۔ مگر "ندا" "کوہ ندا" سے ٹکرا کر واپس نہ آئی اور کہیں گم ہو گئی تو اسے مایوسی ضرور ہوئی مگر وہ "ندائے خلافت" کوشش کر کے پڑھتا رہا کہ اسے آپ کی ذرا مختلف تحریریں پڑھنے میں مزہ آنے لگا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے تحریک خلافت پاکستان کی سرگرمیوں اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے تازہ افکار سے بھی آگاہی ہو جاتی۔ اس نے ہمیشہ "ندا" اور اس کے نقش ثانی "ندائے خلافت" کو کسی پیشہ ورانہ رقابت اور چپقلش کے بغیر پڑھا اور پسند کیا مگر "ندائے خلافت" نے پندرہ اگست کے شمارہ میں اسے "فرمایا بھائی غفورے نے ..." کے عنوان سے ایک مراسلہ نما تحریر پڑھ کر بہت دھچکا لگا۔

یہ تحریر اسی مکتوب نگار کے انٹرویو کے ایک چھوٹے سے حصہ پر ردعمل ہے جو اس نے پروفیسر غفور احمد صاحب سے کیا۔ متذکرہ تحریر میں غفور احمد صاحب کو غفورا اور تکبیر کا نام لئے بغیر اس کی "چابک دستیوں" پر جو کوڑے برسائے گئے' اس سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور پروفیسر غفور احمد صاحب مایوس ہوئے ہوں یا نہیں' یہ مکتوب نگار از حد مایوس ہوا ہے کیوں کہ اس کے نزدیک اسلامی تحریکوں کے کارکنوں کے لئے اخلاقی اقدار کی پابندی اشد ضروری ہے جو قریب قریب پاکستان کی تقریباً تمام ہی اسلامی تحریکوں کے کارکنوں میں اب ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو اس ناچیز کی سمجھ میں یہ آئی تھی کہ یہ سب اقتدار کی خواہش میں کی جانے والی بے لگام سیاست کے سبب ہے۔ مگر وہ ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی تحریک کو مروجہ سیاست سے الگ سمجھنے کی وجہ سے توقع کرتا تھا کہ اس میں ابھی اخلاق کا دامن چاک نہیں ہوا ہوگا۔ مگر یہ تحریر پڑھ کر یہ امید بھی خاک میں مل گئی۔

لکھنے والے کی جذباتیت پر تو افسوس ہوا ہی' اس سے بڑھ کر (معاف کیجئے گا) آپ پر افسوس ہوا کہ آپ نے جنہیں مفتی محمد شفیعؒ جیسے اکابرین کی صحبت

میسر آئی' اس تحریر کو ہر اعتبار سے معیاری جان کر نمایاں انداز میں شائع فرمایا۔ کیا محض چند اختلافات کی وجہ سے اللہ کے واضح احکامات کی دھجیاں اڑا دینا جائز ہے؟ میں آپ کو سورۃ الحجرات یاد دلا رہا ہوں جس پر ہم سب متفق ہیں۔

کیا میں نے آپ کو یہ یاد دلا کر کوئی گستاخی کی ہے؟

والسلام
آپ کا بھائی۔ فاروق عادل
معرفت تکبیر کراچی

پس نوشت

اس امر سے بھی آپ کو آگاہ کر دوں تو مناسب ہوگا کہ میں نے پروفیسر غفور صاحب سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حوالے سے سوال محض اس لئے کیا تھا کہ ان کے بعض مضامین کی اشاعت پر ان ہی دنوں اخبارات میں ایک بحث جاری تھی' مقصد محض ایک رہنما کی رائے حاصل کرنا تھا' کوئی تضحیک مقصود نہ تھی' جو سمیع صاحب کو نظر آئی۔ میں ڈاکٹر صاحب کا بھی اسی طرح احترام کرتا ہوں جیسے قاضی صاحب' میاں طفیل محمد صاحب' مولانا سمیع الحق صاحب' مولانا عبدالستار نیازی صاحب اور مخلص اکابرین کا۔ تحریر کی سرخی میں "اسلام پسند" کی پھبتی بھی کسی گئی' کم از کم اپنی حد تک صمیم قلب سے کہہ سکتا ہوں کہ میں اسلام پسند نہیں ہوں اور نہ بننا چاہتا ہوں۔ میری اول و آخر خواہش اسلام پر کاربند ہونے اور رہنے کی ہے۔ اور خواہش ہے کہ اللہ اسی حالت میں اپنے پاس بلا لے۔"

وہ مراسلہ نما تحریر ہمارے مستقل قلمی معاون اور کراچی میں تنظیم اسلامی کے ایک فعال کارکن محمد سمیع صاحب کی تھی جو ایک عرصہ جماعت اسلامی سے منسلک رہے۔ ۱۹۸۴ء میں انہوں نے رکنیت کی درخواست دی جو ۱۹۸۸ء تک شاید اسی لئے منظوری کے شرف سے محروم رہی کہ درخواست گزار جماعت کی سیاسی حکمت عملی پر بالعموم اور کراچی شاخ کی مشہور زمانہ قلابازیوں پر بالخصوص مجسم سوال بنا رہا۔ پھر یہ بے چینی کوئی منفرد واقعہ نہ تھی' خود "تکبیر" نے اپنے صفحات میں اس طرز عمل پر کڑی تنقیدیں کی ہیں اگرچہ معاصر عزیز صورت حال کو کسی اور رنگ کی عینک سے دیکھتا رہا تھا۔ پروفیسر عبدالغفور احمد صاحب اور "تکبیر" سے مضمون نگار کو جو رنج پہنچا' اسے خود ہم نے بھی محسوس کیا۔ پروفیسر صاحب نے اپنے انٹرویو میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے پورے فکر کو جس طرح چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کی وہ انداز نچلی سطح کے کسی سیاستدان پر تو جچتا ہے' جماعت اسلامی کے ایک نائب امیر کو زیب نہیں دیتا۔

انٹرویو لینے والے یعنی خود فاروق عادل صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں جو سوال کیا اس کا ایک پس منظر تو خود انہوں نے اپنے مراسلے میں بیان کیا ہے' دوسرا پس منظر وہ تھا جو مضمون نگار کے ذہن میں (اور ایڈیٹر "ندائے خلافت" کے حافظے میں بھی) "تکبیر" کے مدیر اعلیٰ کی اس طویل تحریر نے پیدا کیا جسے بڑے اہتمام سے ملک کے کثیرالاشاعت اردو روزناموں میں شائع کرانے کے بعد خود "تکبیر" میں بھی دہرایا گیا۔ اللہ جانتا ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد کو سننے اور پڑھنے والے سب لوگ سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے طویل سلسلہ مضامین سے یہ نتائج اخذ کرنا کیسے ممکن ہوا جس کی شرح پر جناب محمد صلاح الدین نے "پاسباں مل گئے کعبے سے صنم خانے کو" جیسا عنوان جمانا مناسب سمجھا۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں' حقیقت یہ ہے کہ وہ ردعمل صرف کوئی ایسا شخص ہی ظاہر کر سکتا تھا جس نے پورے سلسلۂ مضامین کو پڑھنے اور سمجھنے کی زحمت اٹھائے بغیر محض چند جملوں یا کسی ایک آدھ پیراگراف کو اپنا مطلب کا پا کر اگلے پچھلے بدلے چکانے کے لئے چھانٹ لیا ہو۔ محمد صلاح الدین صاحب سے اس کی توقع نہ تھی۔

ازاں بعد ایک چھوٹے سے لیکن نمایاں چوکھٹے میں "تکبیر" نے ایک خبر شائع کی جس میں خود ہمارے جریدے ماہنامہ "میثاق" میں شائع شدہ پریس ریلیز کے حوالے سے چند سنسنی خیز باتوں کو ایم کیو ایم اور جناب الطاف حسین کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کے "انکشافات" کے طور پر پیش کیا گیا حالانکہ وہاں ڈاکٹر صاحب کے بیان کے متعلقہ حصے میں اس بات کی صاف صراحت موجود تھی کہ "افواہیں یہ ہیں جن پر بڑے وثوق کا اظہار کیا جاتا ہے ----" وغیرہ۔ یہ ذکر ڈاکٹر صاحب نے جن صاحب کی زبانی ہماری موجودگی میں سنا تھا' ان کا نام لینا خلاف مصلحت ہے ورنہ یہ سمجھنا بہت آسان ہو جاتا کہ ایسی باتوں کو افواہیں قرار دینے کی احتیاط کے ساتھ بیان کرنا کیوں ضروری ہو گیا تھا اور اس خطاب میں موضوع زیر گفتگو کا ان سے تعلق کتنا گہرا تھا--- ان باتوں کو خود ڈاکٹر اسرار احمد کے اپنے انکشافات کا نام دینا صحافیانہ چابکدستی نہیں تو اور کیا ہے؟۔

ان دونوں محولہ بالا زیادتیوں پر احتجاج کرتے ہوئے ہم نے "ندائے خلافت" میں ایک شذرہ لکھا --- "محمد صلاح الدین صاحب' آپ بھی؟" ---- لیکن "تکبیر" میں کوئی معذرت نہیں' وضاحت کیا نظر آتی' فاروق عادل صاحب یا ادارۂ تحریر میں سے کسی اور صاحب کا کوئی ذاتی خط بھی موصول نہ ہوا۔ اس سب کے باوجود ہمیں یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ "لکم دینکم ولی دین" اور یہی ہماری خطا ہے کہ اس کا عکس نہ محمد سمیع صاحب کی تحریر میں نظر آیا نہ ہم ادارت میں ملحوظ رکھ سکے۔ ہم نے غلط طور پر یہ تاثر لیا کہ پروفیسر عبدالغفور احمد صاحب جیسے "عوامی" لیڈر کے ساتھ "کراچی" میں یہ بے تکلفی شاید عام طور پر برتی جاتی ہے جبکہ درحقیقت یہ انداز ہمارے دوست محمد سمیع صاحب کے اپنے جذبات کا غماز تھا۔ وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے محبت کرتے ہیں جن کے حق میں "تکبیر" کے طرز عمل سے ناخوش تھے۔ اس پر مستزاد پروفیسر صاحب کا حقارت آمیز رویہ جو "تکبیر" میں ہی سامنے آیا اور محمد سمیع صاحب کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوا۔ ان کی کیفیت پر یہ مصرع صادق آتا ہے کہ "ہم بھرے بیٹھے تھے' کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو"۔

بہرصورت' پروفیسر صاحب سے ہمیں جو دکھ پہنچا وہ اپنی جگہ' ہم محمد سمیع صاحب کی طرف سے اور "ندائے خلافت" کی جانب سے بھی' ان سے معافی کے خواستگار ہیں اور ان سب قارئین سے بھی معذرت طلب کرتے ہیں جنہیں ہماری فروگزاشت سے ذہنی کوفت ہوئی۔ آئندہ ان شاء اللہ ہم پہلے سے بھی کہیں زیادہ محتاط رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ ہمیں اپنے اعمال کی جوابدہی خود کرنی ہے جبکہ دوسرے اپنے لئے جو پسند کریں' اختیار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ہم خیر خواہی میں حق نصیحت ادا کریں گے تو اس کا اسلوب بھی ویسا ہی احسن ہو گا جس کی ہمیں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے رکھے!۔

OO

دیگر احوال یہ ہے کہ...

یہ پرچہ مرتب ہو چکا تھا کہ مضمون نگار' محمد سمیع صاحب کی وضاحت بھی موصول ہوئی جو اشاعت کا پورا استحقاق رکھتی ہے۔ اسے اگلے شمارے میں دیکھئے ------ مدیر

میرپور آزاد کشمیر میں لاہور جنوبی کے رفقاء نے خلافت کی منادی کی

محمد فاروق اقبال

رفقائے تنظیم کی "ذاتی تربیت" اور "دعوت الی اللہ" کے کام کی عملی تربیت کے لئے جملہ رفقاء پر یہ لازم ہے کہ ہر ماہ دو دن اپنے روزانہ کے معمولات سے فارغ ہو کر خالصتاً اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر گھر سے نکلیں اور اللہ کے بندوں کو "دین کی دعوت" دیں۔ دعوت و تبلیغ کا یہ کام مختلف انداز میں کیا جاتا ہے مثلاً انفرادی رابطہ کے ذریعے گھر گھر جاکر' کسی خاص گروہ مثلاً طلباء وکلاء انجمن اور اداروں سے وابستہ افراد کے سامنے اس کی ذمہ داریوں کی یاددھانی کے ذریعے' اجتماعی سطح پر عوامی رنگ میں کسی کھلے میدان' چوراہے اور بازاروں میں خطاب کرکے اور مساجد کی انتظامیہ سے اجازت لے کر خطاب جمعہ کے ذریعے سرانجام دیا جاتا ہے۔ جہاں جیسا موقع میسر آئے اس کے مطابق اللہ کا پیغام پہنچانا اور مسلمانوں کو ان کی دینی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا ہی اصل مشن ہوتا ہے۔ اسی ادائے فرض کے ناطے باقاعدہ پروگرام کے تحت دس بارہ رفقاء کا گروپ تشکیل پاکر اپنے امیر کی قیادت میں کسی مخصوص مقام یا علاقہ میں دو دن کے لئے کام کرتا ہے۔ اکثر جگہوں پر مقامی رفقائے تنظیم یا پھر معاونین تحریک خلافت پاکستان کی معاونت سے پیشگی پروگرام بھی طے کرلئے جاتے ہیں تاکہ بغیر وقت ضائع کئے کامل یکسوئی سے بھرپور انداز میں اپنی ذمہ داریاں نبھائی جاسکیں۔

اسی حوالے سے ہمارے ایک ساتھی جناب فیاض اختر میاں صاحب کی دیرینہ خواہش کہ ایک پروگرام ان کے آبائی شہر میرپور (آزاد کشمیر) میں ہو کی تکمیل کے لئے لاہور جنوبی تنظیم کے امیر جناب قمر سعید قریشی کی سربراہی میں سولہ ساتھیوں کا قافلہ تشکیل پاگیا۔ اکثر ساتھی تو پہلی کال پر ہی جمع ہوگئے تھے جبکہ ابھی جملہ اخراجات کا اندازہ نہیں تھا۔ بعد میں جب فی کس اخراجات کا تخمینہ معمول سے چار گنا ہوا تو قدرتی طور پر تشویش ہوئی کہ شاید رفقاء یہ بوجھ نہ برداشت کرسکیں۔ لیکن الحمدللہ کچھ ساتھیوں کے ایثار و انفاق سے یہ کوئی مسئلہ ہی نہ رہا اور یوں یہ حقیقت خوب نمایاں ہو کر سامنے آگئی کہ اگر اخلاص کے ساتھ کسی کام کا ارادہ کرلیا جائے تو اس کی تکمیل خود ذات باری تعالیٰ فرمادیتے ہیں۔

جمعرات مورخہ ۱۸/اگست ۹۴ء یہ ساتھی تین قافلوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک قافلہ ۵ بجے شام بذریعہ فلائنگ کوچ اور اس کے بعد دوسرے دونوں اپنی دو ذاتی گاڑیوں کے ذریعے میرپور کے لئے روانہ ہوگئے۔ ہم فلائنگ کوچ کے ساتھیوں کو اللہ نے جلد تبلیغ کا موقع عطا فرمادیا۔ لاہور شہر سے باہر نکلتے ہی ڈرائیور صاحب کو امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک کیسٹ تھمادی۔ سورۂ حم السجدہ کے ایک منتخب مقام کا درس رفقاء کے علاوہ بیس خواتین و حضرات نے دوران سفر دلجمعی اور توجہ سے سماعت فرمایا۔ "ہم خرما وہم ثواب" کے مصداق جہاں قرآن مجید سے استفادہ ہوا وہاں زبردستی کے سنوائے جانے والے گانوں سے نجات مل گئی جو اگرچہ سفر کے اختتام تک برقرار نہ رہ سکی۔

میرپور میں متعین مقام پر یہ تینوں قافلے گیارہ بجے شب بالترتیب پندرہ منٹ اور تیس منٹ کے وقفے سے پہنچ گئے۔ طعام و قیام شب جناب فیاض اختر میاں کے گھر رہا انہوں نے ان دو دنوں کی مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ سب سے بڑھ کر آپ کے اہل خانہ بالخصوص خواتین نے جو مشقت اٹھائی وہ قابل ستائش ہے۔ اللہ انہیں بھرپور اجر دے۔ آمین۔ صبح تین سے چار بجے تک نوافل کے لئے قمر سعید صاحب اپنے مخصوص انداز میں رفقاء کو باری باری جگاتے رہے۔ الحمدللہ فجر کی اذان تک سب ساتھی مستعد اور تیار تھے۔ نماز فجر قریبی جامع مسجد کلیال میں قمر سعید قریشی صاحب کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ مسجد کے خطیب مولانا عبدالشکور صاحب نے خود اصرار کے ساتھ یہ پیشکش کی تھی۔ راقم نے ایک بات خصوصی نوٹ کی تھی کہ نماز میں صرف تین یا چار مقامی افراد نے شرکت کی تھی۔ سولہ رفقائے تنظیم کے علاوہ مسجد سے منسلک مدرسہ میں مقیم دس بارہ طالب علم بچے تھے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر دل مسوس کر رہ گیا۔ مولانا عبدالشکور صاحب سے اس ضمن میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ کھاتے پیتے لوگ اپنی دنیا میں مگن ہیں۔ غفلت میں پڑے ہیں البتہ نماز جمعہ میں کثیر حاضری ہوتی ہے۔ اشراق کے بعد تمام ساتھی اپنے سامان کے ساتھ گھر سے مسجد میں منتقل ہوگئے اور کچھ دیر آرام کے بعد ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوئے۔ دریں اثنا میرپور شہر سے ۲۵ کلومیٹر دور واقع قصبہ جاتلاں کے پانچ رفیق اپنے نقیب جناب سید محمد آزاد کے ہمراہ ساتھ آشامل ہوئے جن کو مرکز کی طرف سے ہماری آمد کی اطلاع کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ جہلم سے چھ رفقاء جناب محمد حسین صاحب نقیب اسرہ کے ساتھ آگئے۔ یوں رفقاء کی کل تعداد ۲۷ تک ہوگئی۔ ان میں سے چار رفیق تو اگلے روز آخر تک ہمارے ساتھ رہے جبکہ بقیہ ساتھی اپنی مصروفیت کی بنا پر اجازت لے کر مغرب کے بعد گھروں کو روانہ ہوگئے۔ انہوں نے جمعہ کے دن ہونے والے چاروں پروگراموں میں بھرپور حصہ لیا اور ہماری نصرت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی وجہد کو قبول فرمائے۔

پہلی باقاعدہ تربیتی نشست کا آغاز صبح ساڑھے نو بجے ہوا جس میں پہلے تمام رفقاء کا باہمی تعارف ہوا اور پھر بنیادی کتابچے "ہیئت تنظیمی اور نظام العمل تنظیم اسلامی" کی چیدہ چیدہ دفعات کا امیر قافلہ کی سربراہی میں سبقاً سبقاً مطالعہ کیا گیا اور باہمی مذاکرے کی صورت میں سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ یہ مجلس ۲ گھنٹے تک جاری رہی۔ بعد ازاں دعوتی پروگراموں کی تفصیلات اور ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔

دو مساجد سے خطاب جمعہ کی پہلے سے اجازت لی ہوئی تھی۔ جامع مسجد "کلیال" میں یہ ذمہ داری ہمارے ساتھی اور ناظم تنظیم اسلامی لاہور جنوبی' پروفیسر فیاض حکیم صاحب نے نبھائی۔ آپ نے عبادات اور جہاد کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی۔

بعد از نماز جمعہ تقریباً آٹھ سو نمازیوں میں تحریک خلافت کا بنیادی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

جامع مسجد غازی الٰہی بخش علامہ اقبال روڈ میں خطاب جمعہ کے فرائض جناب سید محمد آزاد صاحب نے ادا کئے۔ آپ نے سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۲۱ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"۔ کو موضوع بنا کر نہایت مربوط اور مدلل گفتگو کی اور سامعین کو بحیثیت امتی' دینی ذمہ داریوں کو نبھانے کی ترغیب و تشویق کے ساتھ ساتھ اس کی فرضیت کی طرف خوب توجہ دلائی۔ شاید یہ خیال سامعین کے لئے نیا تھا کیونکہ میں نے اکثریت کو پوری توجہ اور یکسوئی سے ہمہ تن گوش پایا۔ نماز کے بعد کثیر تعداد میں "نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے" مع معاون فارم کے تقسیم کیا گیا۔ عصر سے مغرب کے درمیان رابطہ عوام کے سلسلے میں کارنر میٹنگ بازار اور رہائشی کالونی کے سنگم پر منعقد کی گئی۔ ہمارے جہلم کے ساتھی جناب محمد حسین صاحب نے ۲۰ منٹ تک بطور عوامی مقرر خلافت کے موضوع پر گفتگو کی۔ باقی ساتھی لٹریچر تقسیم کرنے میں منہمک رہے۔ اس روز کے تیسرے پروگرام کے مطابق نماز مغرب کے بعد تین مساجد میں خطاب تھا۔ مرکزی جامع مسجد مفتی عبدالحکیم نزد ریاض ہسپتال میں سید محمد آزاد صاحب نے سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ (آیۂ استخلاف) کا درس تقریباً ایک گھنٹہ تک دیا اور خلافت کی اہمیت اور اس کے قیام کو قرآن کے حوالہ سے پر اثر انداز میں واضح کیا۔ یہاں بارہ کے قریب احباب آخر تک موجود رہے۔ درس کے بعد دو تین افراد سے سوال جواب بھی ہوئے اور تفہیم کا حق ادا کیا گیا معاون فارم بھی تقسیم کئے گئے۔ امید ہے کچھ نہ کچھ یافت ہوگی۔ عشاء تک رفقاء مسجد میں ہی رہے اور نماز عشاء کے بعد جناب سید محمد آزاد صاحب نے ہی دو احادیث شریفہ کا درس دیا۔ دوسری جگہ جامع مسجد کلیال میں چوہدری منظور احمد صاحب نے سورۃ القیامہ کا درس اپنے مخصوص پر جوش انداز میں دیا۔ اس درس میں بھی حاضری مناسب رہی۔ بعد از نماز عشاء اسی مسجد میں ہمارے نوجوان رفیق جناب سید محمد فاروق جیلانی صاحب نے دو احادیث کے مضمون کو کھول کر بیان کیا۔ بطور مقرر ان کی یہ پہلی کاوش تھی۔ الحمدللہ بہت اچھی طرح یہ ذمہ داری نبھائی۔ مستقبل میں انشاء اللہ ہمارے لئے قیمتی سرمایہ ہوں گے۔

تیسرے مقام علامہ اقبال روڈ پر واقع جامع مسجد غازی الٰہی بخش میں ہمارے میزبان اور سرگرم رفیق جناب فیاض اختر میاں صاحب نے مغرب کے فوراً بعد ایک گھنٹہ سے زائد "خلافت کیا' کیوں اور کیسے" کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا۔ اس موقع پر تحریک خلافت کا بنیادی لٹریچر مع معاون فارم بھی تقسیم کیا گیا۔

اگلے روز صبح نماز فجر کے فوراً بعد راولپنڈی سے آنے والے رفیق جناب ریاض صاحب نے درس قرآن دیا۔ مقامی آبادی میں سے تو سوائے مدرسہ کے طلباء اور ایک مدرس کے کوئی موجود نہیں تھا۔ بعد ازاں رفقاء انفرادی نوافل اور تلاوت قرآن مجید میں منہمک ہو گئے۔ آج واپسی کا وقت گیارہ بجے دن طے ہوا تھا کیونکہ جناب قمر سعید قریشی امیر تنظیم لاہور (جنوبی) اسی روز مغرب کے بعد لاہور میں اپنے نقباء سے خصوصی میٹنگ کرنا چاہتے تھے تاکہ اگلے روز صبح آٹھ بجے ہونے والی ایک روزہ تربیت برائے نقباء میں پیش ہونے والی دعوتی انفرادی رابطہ مہم کا جائزہ لیا جا سکے۔ لیکن لاہور روانگی سے پہلے ایک عدد کارنر میٹنگ کا گزشتہ شب ہی فیصلہ کر لیا گیا تھا جو دس بجے صبح ایک معروف بازار میں ناگی شاپنگ سینٹر کے بالمقابل منعقد کی گئی۔ جناب محمد حسین صاحب نے ایک گھنٹہ سے زیادہ خطاب کیا۔ نظام خلافت اور اس کی برکات سے پبلک کو آگاہ کیا اور صدا لگائی کہ ہم یہاں آپ سے ووٹوں کی بھیک مانگنے نہیں آئے۔ آئیں اپنے دین کی خاطر تن من دھن نچھاور کرنے والے جواں مرد اور جواں ہمت افراد آگے آئیں' ہمارا ساتھ دیں کہ یہی نجات کا راستہ ہے۔ آئیں سب مل جل کر اللہ کے دین کو اس کے رسول ﷺ کے انقلابی اسوہ پر چلتے ہوئے غالب کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ رفقاء نے آنے جانے والوں اور دکانوں میں جا کر لٹریچر تقسیم کیا۔ چند ایک ذی شعور اور ملت کا غم کھانے والے افراد سے اس موقع پر ہی گفتگو بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی جد و جہد کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔ اس خطاب عام کے فوراً بعد لاہور واپسی شروع ہو گئی۔ OO

کراچی میں تنظیمِ اسلامی نے

تحریکِ خلافت پاکستان کا تعارف کرایا

انجنیئر نوید احمد

شہر کراچی میں تنظیم اسلامی کا نظم پانچ تنظیموں اور ایک اسرہ پر مشتمل ہے۔ ماہ جولائی ۱۹۹۴ء کے لئے تمام تنظیموں کے امراء اور واحد اسرہ کے نقیب نے مشترکہ دو روزہ لگانے کا پروگرام بنایا۔ دو روزہ کے لئے لانڈھی کورنگی (کراچی شرقی نمبر ۳) کے علاقے کا انتخاب کیا گیا اور راقم الحروف کو اس پروگرام کے لئے ذمہ دار بنایا گیا۔ دو روزہ کے لئے مورخہ ۲۹ اور ۳۰ جولائی کی تاریخیں طے کی گئیں۔

دو روزہ پروگرام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

ا۔ دعوتی پروگرام بروز جمعہ مورخہ ۲۹ جولائی۔

۲۔ تربیتی و فکری پروگرام بروز ہفتہ مورخہ ۳۰ جولائی۔

ا۔ دعوتی پروگرام

دعوتی پروگرام کے لئے لانڈھی کورنگی کے پانچ مصروف مقامات (قائد آباد' چراغ ہوٹل' جمعہ بازار کورنگی نمبر ۵' بنگالی کیمپ اور جمعہ بازار بھٹائی کالونی) پر کیمپ لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ کراچی شرقی نمبر ۳' ملیر کینٹ اور محمود آباد کے رفقاء نے شب جمعہ تمام مقامات پر کیمپ نصب کر دیے اور ہر کیمپ پر اسٹال لگانے کے لئے کتابوں' ہینڈ بلز' بینرز' کیلنڈرز اور کیسٹس کے کئی ایک سیٹ تیار کر لئے۔

بروز جمعہ مورخہ ۲۹ جولائی' صبح ۸ بجے سے قبل تمام کیمپوں پر اسٹال لگانے کا سامان پہنچا دیا گیا اور چار چار رفقاء نے کیمپ تیار کر کے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ تحریک خلافت کے تعارف اور نہی عن المنکر باللسان کا آغاز کر دیا۔

صبح ۹ بجے کراچی کی تمام تنظیموں کے رفقاء کراچی شرقی نمبر ۳ کے دفتر میں جمع ہوئے۔ رفیق محترم اسد عزیز بٹ صاحب نے فریضہ امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر کی اہمیت پر پرزور گفتگو کی۔ شمس العارفین صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ آج کے پروگرام کو کامیاب بنانے اور تنظیم کی دعوت کو موثر طور پر آگے بڑھانے کے لئے منظم جد و جہد (Team Work) کی ضرورت ہے۔

راقم الحروف نے تمام رفقاء کو ضروری ہدایات دینے کے بعد مختلف کیمپوں کی طرف روانہ کر دیا۔ ہر کیمپ پر ایک رفیق کو ناظم بنایا گیا تھا۔ تمام ناظمین نے اپنے اپنے فرائض بڑی تندھی سے ادا کئے۔ کیمپ سے رفقاء کو مختلف مساجد' آبادیوں اور بسوں وغیرہ میں دعوتی ہینڈ بلز تقسیم کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ ہر کیمپ سے باری باری رفقاء نہی عن المنکر باللسان کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اس سلسلے میں راقم نے ہر کیمپ پر جا کر رفقاء کو مشق کروائی۔ ہر کیمپ پر کتابوں کا اسٹال بھی موجود تھا۔ مجموعی طور پر تمام کیمپوں سے ایک ہزار روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں۔ دن بھر میں تقریباً ۱۲ ہزار ہینڈ بلز عوام تک پہنچائے گئے۔ کیمپنگ کا یہ سلسلہ بعد نماز عصر تک جاری رہا اور اس کے ذریعہ سے لانڈھی کورنگی کے علاقے میں موثر طور پر تحریک خلافت کا تعارف کروا دیا گیا۔

کیمپنگ کے بعد تمام رفقاء نے نماز مغرب جامع مسجد طیبہ کورنگی نمبر ۴ میں ادا کی۔ بعد نماز مغرب جناب اعجاز لطیف صاحب نے دینی فرائض کے جامع تصور پر ایک مدلل خطاب کیا۔ اس خطاب میں شرکت کی دعوت کے لئے لطیف کھوکھر صاحب کی قیادت میں چھ رفقاء نے عصر تا مغرب علاقے میں گشت کیا۔ اس خطاب میں رفقاء کے علاوہ تقریباً چالیس احباب نے شرکت کی۔

۲۔ تربیتی و فکری پروگرام

مورخہ ۳۰ جولائی بروز ہفتہ پروگرام کا آغاز صبح ۴ بجے سے ہوا۔ نماز فجر تک رفقاء نے انفرادی عبادت میں وقت صرف کیا۔ بعد نماز فجر عابد جاوید صاحب نے سورۂ منافقون کے حوالے سے نفاق کی حقیقت' اس کے درجات اور اس مرض کے علاج پر انتہائی سادہ اور عام فہم الفاظ میں گفتگو کی۔

تربیتی پروگرام کی دوسری نشست صبح ساڑھے آٹھ بجے تا دوپہر ایک بجے جاری رہی۔ نشست کا آغاز راقم الحروف نے سورۂ شوریٰ کی آیات ۳۶ تا ۴۳ کے درس سے کیا۔ قرآن حکیم کے اس مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ اضافی اوصاف بیان فرمائے ہیں جو اقامت دین کی جد و جہد کرنے والے افراد کے لئے ضروری ہیں۔ اس کے بعد چھ ایسے رفقاء نے مختلف موضوعات پر خطاب کئے جو ابھی اپنے اندر درس دینے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان رفقاء میں محمد عمران (ضلع وسطی) زین العابدین (ضلع جنوبی) عمران لطیف (ضلع شرقی نمبر ۳) فرحان احمد (ضلع شرقی نمبر ۲) جلال الدین اکبر (ضلع شرقی نمبر ۱) اور احمد عبدالوہاب (ضلع شرقی نمبر ۱) شامل تھے۔ ان تمام رفقاء نے بڑے اعتماد کے ساتھ گفتگو کی اور تمام شرکاء نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ آخر میں راقم الحروف نے مختلف خطابات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "بات میں اثر عمل کی قوت پیدا کرتی ہے۔ جو ساتھی زیادہ سے زیادہ خود کو اسی طرح کی جد و جہد میں لگائے گا' جس کے دوران قرآن مجید نازل ہوا' اس کے درس قرآن میں اتنی ہی زیادہ تاثیر ہو گی۔"

نماز ظہر اور طعام کے بعد امیر محترم کی تازہ تصنیف "اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں" کے باب چہارم اور پنجم کا تحریری امتحان لیا گیا۔ تمام رفقاء ان ابواب کا پہلے سے مطالعہ کر کے آئے تھے۔ امتحانی پرچہ جناب محمد نسیم الدین صاحب ناظم حلقہ سندھ و بلوچستان نے تیار کیا تھا۔ امتحان کے بعد راقم الحروف نے پرچہ میں درج شدہ ہر سوال کے صحیح جواب کی وضاحت کی۔ اس امتحان میں شمس العارفین صاحب اول' اعجاز لطیف صاحب دوم اور احمد عبدالوہاب صاحب سوم آئے۔

نماز عصر کے بعد ایک مشاورتی نشست منعقد ہوئی۔ اکثر رفقاء نے دو روزہ پروگرام پر اطمینان کا اظہار کیا اور اس میں مزید بہتری کے لئے تجاویز دیں۔

دو روزہ پروگرام میں کل ۸۷ رفقاء و احباب نے شرکت کی۔ ویسے تو ہر ساتھی نے پوری دلجمعی سے اس پروگرام کے دوران محنت کی لیکن سید یونس واجد' عبدالقیوم جمال' احسان علی افزاء' عامر خان' عمران احمد خان' عمران لطیف' محمد صفدر' عبدالغفار' عظمت علی اور سعید الرحمان صاحب نے دو روزہ کی تیاری اور اس کے دوران جو اضافی محنت کی وہ قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ ساتھیوں کی محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور سب کو زیادہ سے زیادہ مال اور جان کے ساتھ اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بقیہ : مظاہرہ

بڑی ابلیسی سازش کا حصہ ہے۔ اس کانفرنس کا انعقاد کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔ اقوام متحدہ نے متنبہ کر دیا ہے کہ جو ممالک اس کانفرنس میں شریک نہیں ہوں گے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف ان کی امداد بند کر دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ شیطانی منصوبہ انہیں مغربی اقوام کا بنایا ہوا ہے کہ جنہوں نے پہلے سود کے ذریعے انسانیت کو معاشی حیوان بنا دیا اور خود معاشی درندوں کا روپ دھار لیا' آج یہ لوگ انسان کو جنسی درندہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں"۔ انہوں نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے اقوام متحدہ نے بہت بڑی رقوم مختص کر رکھی ہیں۔ اس جنسی بے راہ روی کے فروغ میں امریکہ کا کردار سب سے نمایاں ہے کہ اس نے ہم جنس پرستوں کو گرین کارڈ کی پیشکش کر رکھی ہے۔ جناب مرزا ایوب بیگ صاحب فرما رہے تھے کہ اس کانفرنس کے انعقاد کے لئے ایک اسلامی ملک کا انتخاب بھی اتفاقی امر نہیں ہے۔ ایک اسلامی ملک کو یہ اعزاز بخشا کہ اس کے صدر مقام پر اس کانفرنس کا انعقاد کیا جبکہ دوسرے اسلامی ملک' کہ جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا' جس کا کبھی مطلب لا الٰہ الا اللہ تھا اور جس کا دستوری مذہب اسلام ہے' کی ایک خاتون ڈاکٹر نفیسہ کو اس کی صدارت سے نوازا گیا۔ یہ تمام حقائق و شواہد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ کانفرنس عالم اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش ہے۔ مغربی اقوام اسلام کے عطا کردہ خاندانی نظام کو تباہ کرنے کے درپے ہیں۔ جناب بیگ صاحب نے کہا کہ مصر اور پاکستان وقت کے فرعون کے سامنے گدائی کا کشکول پھیلائے ہوئے ہیں۔

جناب مرزا ایوب بیگ کی ولولہ انگیز تقریر کے بعد تنظیم اسلامی کے بزرگ رہنما جناب چودھری رحمت اللہ بٹر نے امت مسلمہ کی تیسری اور اسلام کے غلبہ کے لئے گڑگڑا کر دعا کی۔ ان کی دعا سے واقعتاً لوگ آبدیدہ ہو گئے۔ اس دعا ساتھ ہی نماز مغرب سے چند لمحات قبل یہ مظاہرہ اختتام پذیر ہوا۔

اگلے روز اکثر اردو و انگریزی اخبارات نے اس مظاہرے کی تصویری جھلکیاں اور خبریں لگائیں۔ یہ بات بھی بیان کر دی جائے کہ اپنی سابق روش پر قائم رہتے ہوئے اردو کے دونوں بڑے اخبارات نے اس مظاہرے کو جگہ نہ دی۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین OO

زندگانی کی گزرگاہوں میں

ایک چٹکلہ لیکن ادھورا

اقتدار احمد

بہت پہلے سے طے شدہ اور خاصی ہی طویل و مربوط شیڈول (امریکی انگلش کے شائقین اسے "سکے جول" پڑھ لیں) کی بساط کو اچانک لپیٹتے ہوئے ٹوکیو سے میں رسی تڑا کر کیوں بھاگا تھا، یہ تفصیل تو متعلقہ سفرنامے میں آئے گی اگر کبھی لکھا جاسکا' اس صحبت میں ایک چٹکلے کی بھی تمہید پر ہی قناعت کیجئے جو دلچسپ بھی ہے اور چشم بصیرت کے لئے سرمے کا کام بھی دے گا۔

بغیر کسی پیشگی ریزرویشن کے اور پروازوں کی کوئی تفصیل حاصل کرنے میں بھی ناکام رہنے کے بعد ٹوکیو کے نریتا انٹرنیشنل ایرپورٹ پہنچا تو یہ دیکھ کر سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا کہ اپنا ہی ایک جہاز یعنی پی۔ آئی۔ اے کا طیارہ اسلام آباد کے لئے مسافروں کو وصول کر رہا ہے۔ بھئی' اب کیا ہے' کوئی سیٹ خالی نہ ہوئی تو کھڑے رہ کر چلے جائیں گے۔ گھر ہی کی تو بات ہے۔ آخر ریل میں بھی کئی بار نشست کے بغیر سفر طے کئے ہیں!۔ "چیک۔ان" کاؤنٹر پر جاکر اپنا بہت قیمتی ٹکٹ اس زعم میں پیش کیا کہ ہاتھوں ہاتھ لیا جاؤں گا۔ اتنا بڑا فائدہ دیکھ کر کسی بھی ایرلائن کی رال ٹپکنے لگتی اور خاص اپنی ایرلائن کو تو یہ لحاظ بھی ہونا چاہئے تھا کہ ایک ہم وطن اپنی قومی ہوائی کمپنی کے مفاد میں اس قدر ایثار کر رہا ہے لیکن ہوا یہ کہ امیدواری کا ٹکٹ دیکر مجھے ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ تاہم "ویٹنگ لسٹ" بنانے کی کوئی ضرورت اس لئے پیش نہ آئی کہ میری طرح کا کوئی اور بے وقوف وہاں موجود نہ تھا جو راولپنڈی کے لئے نشست محفوظ کرائے بغیر ٹوکیو سے نکل کھڑا ہوتا۔

کاؤنٹر پر دو لڑکیاں مسافروں کو بھگتا رہی تھیں۔ ایک جاپانی نژاد اور ایک پاکستانی۔ تھیں دونوں ہی پی۔ آئی۔ اے کی ساتر وردی میں!۔ جی ہاں' وہاں کے ماحول میں اس سے زیادہ معقول لباس اور کیا ہو سکتا تھا۔ جاپانی لڑکی اس مشرقی وضع قطع میں بہت اچھی لگی جو عین ممکن ہے کہ مکمل "خاتون" ہو۔ چینی جاپانی عورتیں بڑی خوبی سے اپنی عمر میں خاصی لمبی چوڑی چوری کر لیتی ہیں' وہ بھی کسی **غیر معمولی تکلف** کے بغیر۔ ڈھلتی عمر کا ان کے چہرے مہرے پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ پی۔ آئی۔ اے کے گراؤنڈ کریو کی اس مقامی ملازمہ میں تو دلچسپی کا سبب بس اس قدر تھا کہ لہراتی زلفوں اور عریاں پنڈلیوں کی پیدا کردہ کربناک بیزاری میں اسے شلوار اور دوپٹے کے ساتھ دیکھ کر قدرے افاقہ ہوا' میری نظریں بار بار اپنی پاکستانی بچی کی طرف اٹھتی تھیں جس کی آنکھوں سے جھلکتا ہمدردی کا تاثر میں نے آسانی سے پڑھ لیا۔ وہ یقیناً اس امر کی خواہشمند تھی کہ ایک آدھ مسافر اپنی روانگی ملتوی کر چکا ہو یا مقررہ وقت کے اندر پہنچ نہ پائے تاکہ مجھے جہاز میں سوار کرایا جاسکے۔

قصہ مختصر' میری امید آخر کار بر آئی۔ اپریل ۱۹۸۵ء کے اختتامی دنوں کی اس سہ پہر میں پی۔ آئی۔ اے کی ائربس A300 میں بطور آخری مسافر داخل ہوا تو دیکھا کہ جہاز میں خاصی ہی گنجائش باقی تھی۔ گویا اصل مسئلہ یہ تھا کہ راستے کے واحد سٹاپ یعنی بیجنگ ایرپورٹ پر جو مسافر اس پرواز کے منتظر ہیں' ان کے لئے کوئی نشست کم نہ پڑ جائے۔ ویسے بھی ٹوکیو سے بیجنگ کا سفر (اور اسی نسبت سے کرایہ بھی) بیجنگ سے اسلام آباد کی طویل پرواز کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ نریتا سے سوار ہونے والے مسافروں میں مجھ سمیت تین چار پاکستانیوں کے سوا سب "چپٹے" تھے۔ یادش بخیر ہمارے بھائی بختیار جو امریکی شہریت لے کر اب لاس اینجلس میں بس گئے ہیں' مشرق بعید سے نقل مکانی کر کے آنے والے سبھی قومیتوں سے تعلق رکھنے والوں کو ان کے چہروں

میرے سوال "اب میں لکھوں کہ نہ لکھوں؟" کے جواب میں یہ سطور لکھتے وقت تک ۴۵ خطوط موصول ہو چکے ہیں جن میں مجھ ناچیز کی حوصلہ افزائی کے خیال سے ایسے ایسے جذبات و احساسات کا اظہار کیا گیا ہے کہ اپنی ممنونیت کو الفاظ کا جامہ پہنانا بہت مشکل لگتا ہے۔ شکاگو (امریکہ) سے خاص اسی جواب کے لئے ایک بہت ہی محترم دوست نے فون بھی کیا۔ فرمایا کہ آج صبح ہی تازہ پرچہ ملا تھا' حسب عادت سب سے پہلے آپ کی وہ تحریر تلاش کی جو کبھی کبھار ہی میسر آتی یعنی بہت انتظار کراتی ہے۔ خط لکھنے میں اور اس کے آپ تک پہنچنے میں دیر ہو جائے گی لہٰذا ٹیلی فون کی مدد سے درخواست کر رہا ہوں کہ خدارا یہ سلسلہ بند نہ کیجئے' وغیرہ۔ "خاموش اکثریت" تو اب بھی اپنی روایت نبھا رہی ہے لیکن مجھ تک پہنچنے والا ایک ایک خط سو سو پر بھاری ہے جس کے باعث "بندوں" کو گننے کی بجائے تولنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ اللہ گواہ ہے کہ مجھے اندازہ ہوتا کہ "ندائے خلافت" کے قارئین میری خام اور بے ربط سی تحریروں کی اتنی قدر کرتے ہیں تو ہرگز اپنی کتھا لکھ کر دوستوں کی دل آزاری کا سبب نہ بنتا۔ پس اے بزرگو' ساتھیو اور عزیزو! باقی ماندہ زندگی جب تک غائب دماغی سے محفوظ ہوں اور ہاتھ قلم کو جنبش دینے کے قابل ہے' لکھوں گا اور ان شاء اللہ بدستور اسی مشن کو تقویت دینے کی اپنی سی کوشش کرتا رہوں گا جو آپ کے اور میرے درمیان تعلق و محبت کا اصل رشتہ ہے۔

ایک بزرگ رفیق نے لکھنے کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے قیمتی مشورہ یہ دیا ہے کہ اپنی تحریروں میں طنز کی کاٹ ذرا کم کر دوں تو ان کی اثر آفرینی اور افادیت میں اضافہ ہو گا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ مشورہ دیتے ہوئے ان کے ذہنی پس منظر پر میری ادارتی تحریروں کا غلبہ تھا۔ مشورہ صائب ہے' عمل کی کوشش کروں گا۔ ایک اور بزرگ تر رفیق نے جو ہمارے اکابرین کی فہرست میں بھی بہت بلند مقام پر ہیں' تحسین اور مشق سخن جاری رکھنے پر اصرار کے ساتھ اول الذکر مشورے سے بھی بیش بہا نصیحت کی جس کا سرسری ذکر کرنا ناکافی ہو گا۔ اگلی کسی فرصت میں یہ نصیحت انہی کے الفاظ میں بیان کر کے جواب میں کچھ عرض بھی کروں گا۔ اکثر مکتوب نگاروں نے عنوان کے چوکھٹے میں واقع ہونے والے خلاء کو حسب سابق تصویر سے ہی پُر کرنے پر زور دیا ہے لیکن یہ فیصلہ میرے ہاتھ میں نہیں۔ "اوپر" سے اجازت ملی تبھی ہو گا۔۔۔۔۔ اقتدار احمد

کے نقوش کی مناسبت سے "چپٹے" کہتے ہیں۔ مغربی ساحل پر امریکہ کے اس بہت بڑے شہر میں ان لوگوں کی تعداد ہے بھی بہت زیادہ۔ پاکستانی اور ہندوستانی امریکیوں میں ان کے لئے تنفر پایا جاتا ہے جس کی وجہ وہ سخت مقابلہ و مسابقت ہے جو ملازمتوں اور ہر طرح کے کام کاج میں انہیں "چپٹوں" کی طرف سے درپیش ہے۔ "چپٹے" کا خطاب غالباً اسی رقابت کے نتیجے میں برصغیر سے آنے والوں میں ان کے لئے رواج پاگیا ہے۔

پی۔ آئی۔ اے کا فضائی میزبان عملہ تو جہاز کے فضا میں بلند ہو کر ذرا سیدھے ہوتے ہی مسافروں کی خاطر تواضع میں مصروف ہوگیا کیونکہ مختصر وقت میں انہیں کھانا پیش کرنے کی ڈرل مکمل کرنی تھی۔ سہ پہر میں دوپہر کے کھانے کا جواز یہ ہوتا ہے کہ بین الاقوامی پروازوں کے لئے مسافروں کو بہت پہلے گھر سے نکلنا پڑتا ہے اور نریتا کا تو فاصلہ بھی ٹوکیو سے تیس چالیس میل ہے جس تک پہنچنے کے لئے مسافر بالعموم ٹوکیو سٹی ٹرمینل سے ہوائی اڈے کی بس پکڑتے ہیں۔ میری آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں، پاکستانی ساتھیوں کا شکم بھی اسی وظیفے میں مصروف ہوگا۔ دوسرے مسافروں کا پیٹ اس عالم میں معلوم کون سی زبان بولتا ہے۔ کئی دنوں کے بعد اطمینان اور رغبت کے ساتھ پاکستانی (اور حلال) کھانا کھایا تو رزق کی قدر معلوم ہوئی جس میں مین میخ نکال کر اکثر ہم لوگ گھر والوں کو بے مزہ کردیا کرتے ہیں۔

پیٹ کا جہنم بھرا تو طائرِ خیال نے پرواز کے لئے پَر کھول لئے۔ مجھے یہ سبک سا، نازک اندام لیکن بڑا، خاصا فراخ اور مضبوط فرانسیسی طیارہ، بوئنگ کے جمبو ۷۴۷ اور ڈی سی ۱۰ کے مقابلے میں ہمیشہ ہی زیادہ پسند آتا ہے جس کا نام "ایربس" یعنی ہوائی لاری ہے۔ اس کے نام میں عجز و انکساری کی وہ لکھنویت پائی جاتی ہے جو شاید فرانسیسیوں کے مزاج کا حصہ ہے۔ اپنے ہاں خیر سے ہر ہچکیاں لیتے انجن اور کمر کھڑاتی باڈی والی بس "ایف ۱۶" ہے اور ہر مسافر ویگن حتیٰ کہ اشرف المخلوقات کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے پیچھے ٹھونس کر ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر دھوئیں کا سپرے کرتی سوزوکی پک اپ پر بھی "طیارہ" لکھا ہوتا ہے۔ اس پر بھی بس نہیں، فلمی ستاروں پہ تصوراتی کمند ڈالنے والے جس نوجوان ڈرائیور کی تسلی محض "طیارے" سے نہیں ہوتی اس کے نزدیک گاڑی کے اس دروازے پر جس سے وہ خود داخل ہو کر سٹیرنگ سنبھالتا ہے "پائلٹ گیٹ" لکھوانا بھی بہت ضروری ہوجاتا ہے۔ سوچتا رہا کہ ہم مشرق کے مسکینوں میں بڑھک مارنے کا یہ رجحان مغرب کے مقابلے میں احساس کمتری کی علامت ہے یا اللہ کے اس وعدے کا اثر معکوس کہ "انتم الاعلون ان کنتم مومنین"۔ یعنی چونکہ ہم اہل ایمان نہیں اور اسی سبب سے دنیا کے قدموں تلے بچھے ہوئے ہیں لہٰذا ہمارا گزارا صرف نعروں اور بڑھکوں پر ہے۔

امریکی ریاست مزوری کے سب سے بڑے شہر سینٹ لوئس میں جب بھی میں روٹ ۴۷ ایسٹ کے ذریعے داخل ہوا، نواحِ شہر میں واقع بڑے سارے نجی ایرپورٹ کے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک سائن بورڈ ضرور پڑھتا اور محظوظ ہوا کرتا تھا۔ ایرن پر حدِ نظر تک کھڑے بے شمار چھوٹے ٹروفین اور جیٹ طیاروں اور خاصے بڑے رن وے کی طرف اشارہ کرتے اس بورڈ پر پتا ہے کیا لکھا تھا؟ "ایروین سروس"۔ ان کے اپنے بنائے ہوئے ایک ایک اور دو دو انجنوں والے چھوٹے بڑے یہ خوب صورت ہوائی جہاز تو وہاں "وین سروس" مہیا کرتے ہیں لیکن وہ سوزوکیاں جنہیں ہم جاپان سے درآمد کر کے آنکھوں میں سوزش پیدا کردینے والی بے ڈھنگی "سجاوٹ" اور الٹے سیدھے گہنے پاتے سے لاد کر یہاں کی شکستہ سڑکوں پر گھسیٹتے ہیں، ہماری "ہوائی سروس" ہے۔ سبحان اللہ!

ضربِ مومن نامی عسکری مشقوں کے دوران پاک فضائیہ کے ایئربیس سرگودھا میں فرانسیسی لڑاکا طیارے مراج 2000 کو قریب سے بلکہ اچھی طرح ہاتھ پھیر کر دیکھا اور اس کے دہشتناک فضائی کرتبوں کا مشاہدہ بھی کیا تھا۔ نزاکت اس کے تو پاس سے بھی نہیں گزری تاہم پچاس ساٹھ مسافروں کی گنجائش والے اس فرانسیسی طیارے کی خوبصورتی اور سبک رفتاری کا خوشگوار تجربہ آج بھی لطف دیتا ہے جس کے ذریعے ۱۹۷۴ء کے اواخر میں مجھے طرابلس سے بن غازی جانے کا موقع ملا تھا۔ لیبیا کی قومی فضائی کمپنی کی اس پرواز میں کسی بھی فرانسیسی طیارے سے یہ میرا پہلا تعارف تھا۔ لندن کے ہیتھرو ایرپورٹ پر درجنوں بھدے اور موٹی توند والے بوئنگ جمبو جہازوں سے ذرا پرے ہٹ کر ایک شرمیلے سے "کنکارڈ" کو بھی گردن جھکائے کھڑا دیکھا ہے جو فرانس اور برطانیہ کی مشترکہ کوشش سے وجود میں آیا اور آواز کی رفتار سے تیز تر سفر کرتا ہے۔ دبلا پتلا سا، دل کو لبھانے اور نگاہوں کو بھانے والا یہ مسافر بردار طیارہ دیکھ کر اُن پرانے اساتذہ میں سے کسی صاحب کا ایک شعر یاد آیا تھا جنہوں نے اردو شاعری میں مبالغہ آرائی کی مثالیں قائم کی ہیں۔

صنم! کہتے ہیں تیری بھی کمر ہے
کہاں ہے، کس طرف کو ہے، کدھر ہے!

اور مغرب سے ہمارے مزاج کا یہ اختلاف کہ "ہماری باتیں ہی باتیں ہیں، سید کام کرتا تھا" جو باتوں سے بڑھ کر اب بڑھکیں مارنے کو پہنچ کر زیادہ ہی نمایاں ہوگیا، نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی معرفت سے محروم ہوجانے کا، اپنی خودی کو بیچ کھانے کا۔ آپ کو ادعیۂ ماثورہ یاد ہیں اور دن بھر کے معمولات میں آپ ہر موقع کی مناسبت سے مسنون دعائیں پڑھنے کی عادت ڈال چکے ہیں تو محسوس ہوتا ہوگا کہ حقیقی و داخلی عجز و انکسار اور بے جا اترانے سے شعوری اجتناب جیسی صفات تو اصل میں ہماری متاع تھیں جو فرنگ لوٹ کر لے گیا۔ ہر خوبی، ہر سہولت، ہر خوشی، ہر کارگزاری اور ہر کمائی کو اللہ کے فضل و کرم سے منسوب کرنے والا مومن حلقۂ یاراں میں بریشم کی طرح نرم محسوس ہوتا ہے اور اگرچہ رزمِ حق و باطل میں فولاد بن جائے گا لیکن بلا ضرورت بڑھک تو کبھی نہیں مارتا۔ وہ قوم بڑھکیں مار ہی کیسے سکتی ہے، جس کا واحد نعرہ "اللہ اکبر" ہوا۔

راستے کے پہلے اور آخری شاپ یعنی بیجنگ کے وسیع ٹرانزٹ لاؤنج میں وقت گزاری کے لئے چہل قدمی کرتے ہوئے دو ہمسفر پاکستانیوں سے تعارف ہوگیا۔ ایک سائنسی و صنعتی تحقیق کے قومی ادارے (پی سی ایس آئی آر --- جس کی تحقیق کے نتائج آج تک تو سامنے آئے نہیں 'کل نام کال کا') کے چیئرمین تھے اور دوسرے ان کے معاون۔ یہ حضرات ٹوکیو میں ایک سائنسی کانفرنس میں شرکت کر کے وطن واپس جا رہے تھے۔ گپ شپ میں گلہ کیا کہ آپ کا ادارہ آخر کون سا تیر مار رہا ہے تو ان کے جواب کا، بیوروکریسی سے شدید بیزاری کے اظہار کے ساتھ خلاصہ یہ تھا کہ جھک تو ضرور مارتا ہے۔

بیجنگ سے دوبارہ جہاز میں داخل ہوئے تو یہاں سے سوار ہونے والے صد فی صد مسافر ہمارے چینی دوست تھے جن میں اکثر کو اسلام آباد کے بعد اس فلائٹ کی آخری منزل، کراچی سے آگے کے لئے کوئی

اور پرواز پکڑنی تھی۔ پاکستانی مسافروں کا میزان تبدیل نہ ہوا' وہی ڈھاک کے تین پات اور یہاں بھی شاید متوقع مسافروں کی پوری تعداد "چیک اِن" نہیں ہوئی تھی کیونکہ کھڑکی سے ملحق میری نشست کے ساتھ والی سیٹ خالی تھی جس کے بعد راستہ۔ اس کے بعد دوسرے متوازی راستے اور آخری دو سیٹوں سے پہلے ائربس میں چار نشستیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ دوسرے ہم وطن کہیں اتنی دور تھے کہ میں یہاں اپنی جگہ "چہیتوں میں گھرا ہوا اکیلا' بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا" کی تصویر بنا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اپنے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد بجنگ سے جہاز کے کیبن کا چارج سنبھالنے والے نئے عملے میں شامل سلیقے سے تراشیدہ داڑھی والا نوجوان میرے پاس آکھڑا ہوا۔ علیک سلیک اور پھر مزاج پرسی کے بعد اپنے سینے پر لگی ہوئی تختی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ تو آپ میرے نام سے ہی سمجھ ہی گئے ہوں کہ شیعہ ہوں"۔ عرض کیا کہ نام آپ کا میں نے پڑھا تو ضرور' یہ خیال نہیں کیا تھا کہ آپ کیا ہیں۔ خیر آیئے تشریف رکھئے۔ وہ برخوردار یہ کہتے ہوئے میرے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گئے کہ "آپ اکیلے بیٹھے نظر آئے' سوچا آپ کو company دوں" میں نے شکریہ ادا کیا اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد جلد ہی ہماری گفتگو کا رخ دین و مذہب کے موضوع کی طرف مڑ گیا کیونکہ میری شکل صورت اور انداز گفتگو سے انہوں نے اندازہ کیا اور اپنا یہ خیال ظاہر کرکے میری تصدیق بھی حاصل کرلی کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا بھائی ہوں۔ "سچی بات یہ ہے کہ یہی سمجھ کر میں آپ کی طرف کھنچا چلا آیا ہوں"۔

پھر بڑے دکھ کے ساتھ یہ تفصیل بیان کی کہ بچپن سے ہی دین کے انقلابی تصور سے رغبت رکھتے ہیں' زمانہ طالب علمی میں اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ کام کرتے تھے۔ وہاں ان سے کام تو خوب لیا گیا لیکن رکنیت کے اعزاز سے محروم رہے اور ہمیشہ شک کی نظروں سے دیکھے گئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد جماعت اسلامی کے نزدیک ہونے کی کوشش کی لیکن وہاں بھی پذیرائی نہ دی گئی۔ "آخر تو ہم شیعہ سنی سب مسلمان ہیں۔ نماز پڑھتے ہوئے ہاتھ سینے پر باندھ لئے جائیں یا ناف پر اور ہاتھ چھوڑ کر بھی کھڑے ہوں تو اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟۔ اور یہ باہمی منافرت کیوں بڑھتی جارہی ہے؟۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروس قرآن سے بہت متاثر ہوا لیکن انہوں نے بھی محرم کے پہلے عشرے میں بیٹے کی شادی کرکے بلاوجہ بدمزگی پیدا کی اور اپنا ہی نقصان کیا"۔ نقصان کے ذکر پر میرے کان کھڑے ہوئے' عرض کیا کہ باقی باتیں بعد میں ہوں گی' شادی کا پس منظر بھی بیان کروں گا۔ پہلے یہ بتایئے کہ یہ نقصان کا کیا قصہ ہے؟"۔

کہنے لگے "اس سے بڑا نقصان کیا ہوگا۔ ان کی بہو بڑے کربناک عذاب میں مبتلا ہو کر مرگئی اور وہ بیٹا بھی چل بسا" میں نے پوچھا کہ یہ حادثات کب رونما ہوئے اور آپ کو کیسے پتا چلا تو فرمایا کہ ہمارے حلقوں میں یہی مشہور ہے' تاریخوں کا تو کبھی ذکر نہیں آیا"---(باقی باقی)

بقیہ : حدیثِ امروز

ان کی اولادِ نرینہ کو قتل کردیتے اور لڑکیوں کو معاف کر دیا کرتے تاکہ ایک طرف اس مزاحمت کا امکان ختم ہوجائے جس کے ظہور کی خبر ستارہ شناسوں نے فرعون کو دی تھی اور دوسری طرف عورتوں کی کثرت بنی اسرائیل میں جنسی انارکی کو جنم دے تاکہ وہ کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے جائیں' قومِ فرعون کے سامنے تن کر کھڑے ہوجانے کی ان میں ہمت کبھی پیدا ہی نہ ہو۔ رہی خدمت تو وہ عورتوں سے بھی لی جاسکتی تھی۔ وہی بنی اسرائیل پھر رسالتِ موسیٰؑ کے طفیل امتِ مسلمہ کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد بھی اپنی ناہنجاری کے باعث آخر کار راندۂ درگاہ اور مغضوب علیہم قرار پائے لیکن صدیوں کی ذلت و خواری جھیلنے اور دنیا بھر کی خاک چھاننے کے مراحل سے گزر کر انہیں سواری کے لئے امریکہ کی کاٹھی میسر آگئی ہے جس پر وہ پیر تسمہ پا کی طرح مسلط ہیں۔ اب انہیں ایک طرف آلِ فرعون سے اپنا بدلہ چکانا ہے اور دوسری طرف دنیا کے اطراف و جوانب میں پھیلی ہوئی اس ایک ارب سے زیادہ تعداد پر مشتمل آبادی کو زیر کرکے اپنے مفادات کی خدمت میں لگانا ہے جسے ان کی معزولی کے بعد رہتی دنیا تک کے لئے امتِ مسلمہ کا منصب عطا کیا گیا۔

پھر وہ نعرہ یاد کیجئے جو عرب قومیت کے بزعم خویش عظیم قائد اور مصریوں کے محبوب رہنما جمال عبدالناصر نے اپنے بھلے دنوں میں لگایا تھا۔ نحن ابناء الفراعنہ --- ہم فرعونوں کی اولاد یعنی ان کی عظمت رفتہ کے وارث ہیں اور اب یہ بھی جان لیجئے کہ قتلِ اولاد کی منصوبہ بندی کرنے والی عالمی کانفرنس قاہرہ کے نواح میں واقع "ناصر سٹی" میں ہو رہی ہے۔ یہ محض اتفاقات کی بات نہیں' "آلِ فرعون" کے منہ پر بنی اسرائیل کی طرف سے ایک زناٹے دار تھپڑ ہے جس سے یہودیوں کے جذبۂ انتقام کو تسکین ملے گی۔ اور "ترقی" کو تحدید آبادی سے مشروط کرکے شرح پیدائش روکنے کے "خاص" طریقوں کا اس کانفرنس میں درس ہی نہیں دیا جاتا ہے' ان پر عمل کا عہدوپیمان بھی لیا جائے گا جس سے عالمی مالیاتی اداروں کے "تعاون" کی نسبت بھی قائم ہوگی۔ ان طریقوں سے مقصودِ حقیقی تیسری دنیا میں جنسی انارکی کا فروغ ہے اور تیسری دنیا بھی کہنے کی ایک بات ہے ورنہ اس تیر کا اصل ہدف تو عالمِ اسلام ہے' موجودہ امتِ مسلمہ ہے۔

آگ ہے' اولاد ابراہیم ہے' نمرود ہے!
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

"آلِ فرعون" نے تو بنی اسرائیل کے سامنے ہتھیار ڈال ہی دیئے ہیں۔ کیا اسمٰعیلؑ کے بیٹے اسحاقؑ کی ناخلف اولاد کے جگائے ہوئے اس تازہ فتنے کا مقابلہ کرسکیں گے؟۔ یہ دیکھنا باقی ہے۔ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ--OO

بقیہ : پریس ریلیز

ترکی کی وزیرہ عظمیٰ تانسو چلر جیسی مغرب زدہ خاتون کو بھی اس کی ہمت نہیں ہوئی تو آخر بے نظیر بھٹو ہی کیوں اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنے پر تلی ہوئی ہے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ پاکستان کی طرف سے اس کانفرنس کا مکمل بائیکاٹ نہ کیا گیا تو اپوزیشن کی تحریک میں مذہبی عناصر کی قوت بھی شامل ہوجائے گی اور کسے خبر نہیں کہ ایوب خاں اور خود بھٹو کے خلاف سیاسی تحریکیں مذہبی لبادہ اوڑھے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکتی تھیں۔

آخر میں ڈاکٹر اسرار احمد نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ خطرناک حدوں کو چھونے والی فرقہ وارانہ منافرت کو روکنے کی حکومت میں ہمت ہے تو متحارب گروہوں کو فوراً غیر مسلح کیا جائے۔ انہوں نے اسے حکومت کی قوت کا امتحان قرار دیا لیکن ساتھ ہی واضح کیا کہ اگر اس سلسلے میں ٹھوکر نیاز بیگ کی مہم جیسے نتائج سامنے آئے یا حکومت اور انتظامیہ کی طرف سے کسی بھی طرح کی جانبداری برتی گئی تو اس کا خوفناک نتیجہ برآمد ہوگا۔OO

پریس ریلیز

تحریکِ نجات کی کامیابی میں حکومت سے مذہبی عناصر کی برہمی معاون ثابت ہوگی

بے نظیر بھٹو! تمہارے والد نے مذہبی طبقات کا اہم ترین مطالبہ بے نظیر انداز میں پورا کیا تھا

امیرِ تنظیمِ اسلامی و داعئ تحریکِ خلافتِ پاکستان کے تازہ ترین خطابِ جمعہ کا سیاسی حصہ

لاہور۔ ۲/ستمبر: ۔ امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ اپوزیشن کی تحریک نجات کی کامیابی کے امکانات میں اگر کوئی کمی ہے تو اسے ملک کے مذہبی طبقات میں بعض حکومتی اقدامات سے پیدا ہونے والی برہمی پورا کر دے گی لیکن اس مہم کی کامیابی سے بھی خیر برامد ہونے کی توقع نہیں۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ کے آخری حصے میں انہوں نے کہا کہ نواز شریف صاحب اور ان کے ساتھیوں نے ہمت و محنت اور اتحاد و استقلال کا شاندار مظاہرہ کیا ہے جس کے باعث حکومت کی مخالفت میں ان کی تحریک کے زوردار ثابت ہونے کا قوی امکان ہے کیونکہ شہروں میں اس کی حمایت شک و شبہ سے بالا ہے جبکہ صنعت کاروں' تاجروں اور چھوٹے کاروباری لوگوں کی پشت پناہی بھی اسے میسر ہے اور ہمارے ہاں سیاسی تحریکوں کی تاریخ گواہ ہے کہ ان کا آغاز ہمیشہ شہروں سے ہوا اور شہروں میں ہی وہ پل کر جوان ہوئی ہیں لیکن پچھلے تجربات سے سبق یہی ملتا ہے کہ اس تحریک کا حاصل بھی سیاسی عدم استحکام ہی ہوگا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اندیشہ ظاہر کیا کہ تحریک نجات کی ہنگامہ آرائی تین میں سے کسی ایک نتیجے کا سبب بنے گی۔ یا تو ایک نیا مارشل لاء چلا آئے گا جس کے بارے میں باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ ملک کے لئے تباہ کن ثابت ہوگا یا کسی سول وار یعنی خانہ جنگی کا آغاز ہو جائے گا جس کی باقاعدہ دھمکیاں بعض حلقوں کی طرف سے دی بھی جا رہی ہیں اور یا پھر ہمارا واسطہ کسی بیرونی حملے سے پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا ازلی دشمن بھارت اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے میں ہرگز پس و پیش نہ کرے گا اور ۱۹۷۱ء میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں ہماری ناعاقبت اندیشی کا دشمن نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ تحریک کے نتیجے میں بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم ہو جائے تو کوئی غم نہیں کہ خر رفت و گاؤ آمد یا گاؤ رفت و خر آمد والی بات ہے لیکن اصل تشویش سیاسی عدم استحکام اور ان نتائج سے ہے جن میں سے کسی میں بھی ملک و قوم کی بھلائی نہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے حکومت کو مشورے دیتے ہوئے بے نظیر بھٹو کو مخاطب کر کے کہا کہ وہ اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی وراثت کی دعویدار ہیں تو انہیں ملک کی خیرخواہی میں اپنے والد کی روایات کا پاس تو کرنا ہی چاہئے جن میں چند ایک موجودہ صورت حال سے گہری مطابقت رکھتی ہیں۔ انہوں نے یاد دلایا کہ بھٹو نے ڈنکے کی چوٹ یہ بات کہی تھی کہ گھاس کھالیں گے لیکن ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔ اب سابق وزیراعظم کے بیان سے بات کھل گئی ہے تو بھٹو کی بیٹی کو جھوٹ نہیں بولنا چاہئے بلکہ کھل کر اعلان کر دینا چاہئے کہ ہاں' ہم نے اپنی ضرورت پوری کرلی ہے اور اگر کسی کو اعتراض ہے تو ہوا کرے۔ امریکہ بھی اگر ناراض ہوتا ہے تو اس کی طرف سے ہر معاندانہ اقدام قوم میں حوصلہ اور ہمت پیدا کرے گا۔ ہم جیسے کچھ بھی مسلمان ہیں' یہ یقین ضرور رکھتے ہیں کہ رازق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انہوں نے کہا کہ ویسے بھی عالمی سیاست میں قوت کا توازن بہت ضروری ہے۔ دنیا اگر واحد سپرپاور کے رحم و کرم پر رہی تو اس سے فساد پیدا ہوگا چنانچہ مغرب میں قوت کے تسلیم شدہ مرکز کے مقابلے میں مشرق میں بھی قوت کے ایک مرکز کا وجود میں آنا ضروری ہے جو چین بھارت اور پاکستان کی ایٹمی قوت کی صورت میں ابھر رہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے مزید کہا کہ بصورت دیگر نواز شریف صاحب کا اعلان جھوٹ ہے تو انہیں ملک کے مفادات سے غداری کے جرم میں عدالت سے کڑی سزا دلوائی جائے۔ کشمیر پر ثالثی کی تجویز پر بھی انہوں نے بے نظیر بھٹو کو شملہ معاہدہ یاد دلایا جس میں ان کے والد نے یہ مسئلہ باہمی مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کا اقرار کیا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اقوام متحدہ کی ثالثی کو بھارتی وزیراعظم نرسمہاراؤ نے مسترد کر دیا ہے جبکہ یہ بات فی الحقیقت ہماری طرف سے آنی چاہئے تھی کیونکہ اتنی بات ہماری سمجھ میں بھی آ جانی چاہئے کہ یو این کو اگر کشمیر کے معاملے میں مداخلت کا موقع ملا تو اس کے ذریعے امریکہ کا لے پالک یہ عالمی ادارہ کس منصوبے پر عمل درآمد کی راہ ہموار کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے جن حالات میں یہ معاہدہ کیا ان میں اس سے بہتر کوئی صورت ممکن نہ تھی لیکن اب اگر ثالثی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ہمیں یو این کی نہیں بلکہ ایران جیسے دوستوں کی پیشکش سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے بے نظیر بھٹو کی توجہ اہم ترین نکتے کی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا کہ ان کے والد اپنی ذات میں چاہے کتنے ہی سیکولر تھے لیکن انہوں نے پاکستان کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا بہت خیال رکھا۔ ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف تحریک میں کتنا خون بہا تھا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا جبکہ بھٹو کے دور حکومت میں یہ تحریک دوبارہ اٹھی تو انہوں نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا کر مذہبی طبقات کا متفقہ مطالبہ ایک ایسے طریقہ کار کے ذریعے پورا کیا کہ لاکھ مخالفتوں کے باوجود آج تک قادیانیوں کے کسی حمایتی کو بھی اس کے دستوری اور آئینی پہلوؤں پر انگلی اٹھانے کی جرات نہیں ہوئی۔ اس پس منظر میں بھٹو کی بیٹی کے قاہرہ کانفرنس میں خود شرکت کر کے یا کوئی علامتی وفد ہی بھیج کر ملک کے سب مذہبی عناصر کے غم و غصے کو دعوت دینے پر آ بیل مجھے مار کی ضرب المثل صادق آتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اقوام متحدہ کا ایک ادارہ امریکہ اور صیہونیت کے زیر اثر ہی اس جرات کا مظاہرہ کر سکتا تھا کہ ایک اسلامی ملک کے قاہرہ جیسے شہر میں وہ کانفرنس منعقد کی جائے جس کا مقصد بالخصوص مسلمانوں کو بے حیائی اور فحاشی کے راستے پر ڈالنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قوموں کو جنسی انارکی میں مبتلا کر کے کمزور کرنا صیہونی منصوبے کا باقاعدہ ایک حصہ ہے جسے نہ بھی سمجھا گیا ہو تب بھی بنگلہ دیش کی وزیراعظم خالدہ ضیاء نے اس میں شرکت کا ارادہ ترک کر دیا اور

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

"مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا"

جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں (حدیثِ نبوی)

گھی، دُودھ سے حاصل کردہ چکنائی کو کہتے ہیں، اس کے علاوہ کسی دوسری چکنائی
کو گھی نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ تو مختلف اقسام کے تیل ہیں جو گھی کے نام پر فروخت ہوتے ہیں

جدید تحقیق کے مطابق دیسی گھی بہترین قدرتی چکنائی ہے

قدرتی طور پر وٹامن اے اور ڈی سے بھرپور

دیسی گھی کا بہترین تحفہ

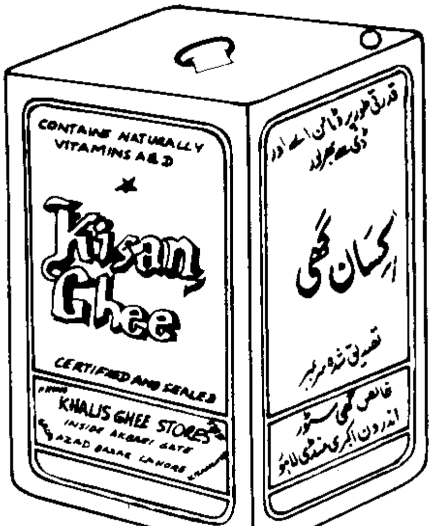

کِسان گھی

آپ کا آزمودہ

متبادل چکنائیوں کی نسبت زود ہضم اور لذیذ

پنجاب کے دیہاتوں سے حاصل کردہ
خوش رنگ قدرتی خوشبو کے ساتھ

ایک کلو، ۲/۱ ۲ کلو، ۲/۱ ۴ کلو اور ۱۶ کلو کے سربمہر ٹن کے ڈبوں میں پیک شدہ

پیکرز: خالص گھی سٹورز

آزاد بازار، اکبری منڈی لاہور، فون ۵۳۸۳۱-۲۵۲۸۵۲